آگ کی دہلیز

جنوب مشرقی ایشیا کے افسانے

تالیف : ٹریور کیرولان

ترجمہ : مصطفیٰ نذیر

مشعل

آ گ کی دہلیز

جنوب مشرقی ایشیا کے افسانے

ٹریور کیرولان

ترجمہ: مصطفیٰ نذیر

مشعل

آر-بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور 54600 ' پاکستان

MashalBooks.com

فہرست

پیش لفظ	سہیل احمد خان
استانی کا راز	کیتھرین لم (سنگاپور)
ترقی	ایف سائیونل خوزے (فلپائن)
پرچھاؤیں کا رقص	ایچ جعفر سالج (انڈونیشیا)
باغیوں کا گڑھ	خوزے ڈیلیسے جونیئر (فلپائن)
31 - پپی نس سٹریٹ	لی ای داؤ (چین)
بھیانک خواب	بویانگ (تائیوان)
شبہ	کونیکوموکودا (جاپان)
برف کی پھوار	یوشیکو شیبا کی (جاپان)

MashalBooks.com

تعارف

آگ کی دہلیز (Rim of Fire) کہانیوں کا مجموعہ ہے جسے ٹریور کارولان (Trevor Carolan) نے مرتب کیا۔ 1992ء میں شائع ہونے والے اس مجموعے میں جاپان، کوریا، چین، تائیوان، ملائیشیا، تھائی لینڈ، ویت نام سنگا پور کے بعض نمائندہ افسانہ نگاروں کی تخلیقات کے انگریزی تراجم تھے۔ ایک کہانی آسٹریلیا اور ایک نیوزی لینڈ سے بھی ترجمہ کی گئی تھی۔ اس مجموعے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مغربی قارئین کو مشرقی ایشیاء کے ممالک کے (بالخصوص دوسری جنگ عظیم کے بعد ابھرنے والے) افسانوی رجحانات سے آشنا کیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی ان افسانوں کے ذریعے ان ممالک کی معاشرتی زندگی، ان میں انسانی تعلقات کی نوعیت، قدیم و جدید کے تصادم اور اقدار کی ٹوٹ پھوٹ کی جامع تصویر بھی مغربی قاری کو دکھائی جائے۔ اس لحاظ سے اس انتخاب کا جواز فنی سطح پر بھی تھا اور سماجی سطح پر بھی۔ یوں تو ان ممالک کی صنعتی ترقی اور ان کے معاشرتی رجحانات پر عمرانیات اور دیگر علوم کے ماہرین کے تجزیے اپنی جگہ اہم ہیں لیکن ناول اور افسانے میں انسان کے اندرونی احساسات اور مختلف تناظر میں انسانی ردعمل کی جو صورتیں دکھائی جاتی ہیں وہ تجریدی اصطلاحات کے مقابلے میں زندگی کی آگ میں تپش کا زیادہ احساس دلاتی ہیں۔

جہاں تک فن افسانہ نگاری کا تعلق ہے ان ممالک میں اس کا آغاز بیسویں صدی میں ہی ہوا اور کتاب کے مرتب کے بقول اخبارات کے فروغ کے ساتھ اس کا بنیادی تعلق ہے کیونکہ روزنامے کہانیاں شائع کرتے تھے۔ یہ موضوع اپنی جگہ دلچسپی کا حامل ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں مختصر کہانی نے کیسے فروغ پایا مگر اس سے بھی اہم چیز یہ ہے کہ ماہر

Mashalbooks.com

افسانہ نگاروں نے اپنے فن میں معاشرے کی عکاسی لے کر انسانی تقدیر کے عمیق رازوں تک کو یوں گرفت میں لیا کہ مختصر کہانی میں پوری انسانی زندگی کا جوہر سمٹ آیا۔

کہا جاتا ہے کہ ناول جدید ادب میں ایسی اہمیت رکھتا ہے جو کبھی ''ایپک'' کی تھی۔ ناول کی وسعتیں اپنے اندر ایسی گنجائش رکھتی ہیں، جن سے ناول نگار بہت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مختصر کہانیوں کا کینوس نسبتاً چھوٹا ہے اسی وجہ سے کئی نقاد مختصر کہانی کے فن کے ناول کے مقابلے میں بہت کم تر صنف سمجھتے ہیں۔ غور کیجئے تو یہ تقابل بہت سادہ تجزیے کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ناول کی قدر و قیمت مسلمہ ہے مگر اس کی وسعت ہی کے تقابل سے افسانہ نگاری کے فن کو کم تر سمجھنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ افسانہ نگار بعض اوقات کسی ایک کردار یا کسی خاص دائرے میں انسانی زندگی کو اتنے ارتکاز سے سامنے لاتا ہے کہ اس کو اپنی وسعت بے کنار دکھائی دیتی ہے۔ تجربے کے نقوش نسبتاً چھوٹے دائرے میں اور بھی چمک جاتے ہیں۔ محمد حسن عسکری صاحب نے اپنے مضمون ''آدمی اور انسان'' میں لکھا تھا ''نفسیات فلسفہ اور دوسرے علوم پڑھ پڑھ کے چاہے آپ چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا بن جائیں لیکن اگر آپ نے ناول نہیں پڑھے ہیں تو آپ بیسویں صدی کے انسان اور اس کے روحانی مطالبات کو نہیں سمجھ سکتے''۔ اس بصیرت افروز جملے میں بیسویں صدی کے ناول کا ذکر ہے مگر بیسویں صدی کے افسانے کو پڑھے بغیر بھی بیسویں صدی کے انسان اور اس کے روحانی مطالبات کی تفہیم ادھوری رہے گی۔

جواں سال مترجم مصطفیٰ نذیر احمد نے RIM OF FIRE سے جو کہانیاں اردو میں ترجمہ کی ہیں ان کا تعلق جاپان، چین، تائیوان، فلپائن، انڈونیشیا اور سنگاپور سے ہے۔ یہ کہانیاں وسیع تناظر کی حامل ہیں۔ شہروں کے پھیلاؤ میں فرد کی بے چارگی صنعتی اور تجارتی معاشرے میں کاروبار اور زرگری کی گھاتیں ''دفتری نظام کے شکنجے میں فرد کی بے بسی'' رشوت اور عیاشی اٹھائی گیروں کا زور وشور، ریاست اور فرد کا ٹکراؤ غرض یہ کہ آج کی زندگی کا پورا آشوب نظروں کے سامنے ہے۔ اس آشوب کی تلخی اور اس کا پرتشدد مزاج ان کہانیوں میں پوری شدت سے جھلک اٹھا ہے۔

فنی اعتبار سے جہاں ایک مختصر کہانیوں کی اس تہ داری کا اندازہ ہوتا ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے تو دوسری طرف واقعیت نگاری کی وسعتوں کا بھید بھی کھلتا

MashalBooks.com

ہے۔ واقعیت نگار اگر محض عکاس نہ ہو اور گہری انتقادی واقعیت سے کام لے سکتا ہو تو افسانے میں تخلیقی تخیل کے کرشمے عجیب رنگ دکھاتے ہیں۔ یہ کہانیاں اس حقیقت کو جگہ جگہ ظاہر کرتی ہیں اور کہیں بامعنی اشاریت بیان سے اور گہرائی پیدا کر دیتی ہے۔ توقع ہے کہ مصطفیٰ نذیر احمد ترجمے کے فن سے اپنی شناسائی کو اور گہرا کریں گے اور مختلف خطوں کے ادب پاروں سے ہماری واقفیت بڑھائیں گے۔ ترجمہ ہی ایسا پل ہے جو ادب میں دوریوں کو کم کرتا ہے مماثلتوں اور تصادات کو سامنے لا کر کسی نئے تجزیئے پر مائل کرتا ہے۔ اس تجزیے کی ضرورت صرف دوسروں سے آشنا ہونے کے لئے ہی نہیں خود شناسی کے لئے بھی ہے۔

مشعل لاہور (پاکستان) باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ تراجم کی اشاعت میں مصروف ہے اس کی وجہ سے ہمارے قارئین کی ایک پوری نسل کو عالمی ادب کے بعض شہ پاروں سے آشنا ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ امید ہے یہ سلسلہ اور آگے بڑھے گا۔

سہیل احمد خاں

صدر شعبہ اردو

اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کیتھرین لم (سنگاپور)

کیتھرین لم نے 1970ء کی دہائی میں لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 1978ء میں شائع ہوا۔ لم کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ 1980ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں شائع ہوا۔ جنوب مشرقی ایشیا میں لکھے جانے والے بیشتر افسانوی ادب کی طرح یہ مجموعہ بھی جذباتیت سے انحراف کرنے کے عزم کی عکاسی کرتا تھا۔ یہ سنگاپور کے جدید رنگ میں ڈھلتے ہوئے مقامی معاشرے میں خانہ داری اور خواتین کے مسائل کی طرف توجہ دینے کا تقاضا بھی کرتا تھا۔ ان کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ 1987ء میں شائع ہوا۔ ''انگریزی کی استانی کا راز'' افسانہ اسی مجموعے سے لیا گیا ہے۔ اس افسانے میں لم نے ان دشواریوں کی طرف توجہ مبذول لیا گیا ہے جن کا سامنا سنگاپوری خواتین کو ہوسکتا ہے۔ کہانی کی ابتداء میں جس منصوبے کا تمسخر اڑایا گیا ہے وہ تخیلاتی نہیں۔ سابق وزیراعظم لی کوآن یو کی حکومت نے واقعی ایسا منصوبہ تجویز کیا تھا۔ شادی شدہ ہیں اور ان کے دو بچے ہیں۔ وہ سنگاپور کے ترقیاتی انسٹیٹیوٹ برائے نصاب تعلیم سے منسلک ہیں اور انگریزی زبان کی درسی کتب لکھتی ہیں۔

استانی کا راز

جب حکومت کو تعلیم یافتہ خواتین کے درمیان غیر شادی شدہ رہنے اور اس طرح ملک کو ان ذہین بچوں سے، جنہیں مستقبل میں ملک کی اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کرنا تھا، محروم کرنے کے بڑھتے ہوئے رجحان پر تشویش لاحق ہوئی تو اس نے رشتے طے کرانے کے ایک منصوبے کا آغاز کیا۔

وزیراعظم نے خود ایک اہم پالیسی تقریر میں جب قوم کو اس رجحان کے خطرات سے آگاہ کیا تو غیر شادی شدہ تعلیم یافتہ خواتین کو یوں لگا کہ وہ سب کی نگاہوں کا مرکز ہیں۔ ہر شخص یہ جاننا چاہتا تھا کہ انہوں نے شادی کیوں نہیں کی؟ وہ اپنے رفیق حیات میں کن خوبیوں کی متلاشی ہیں اور کیا سنگاپوری مرد کسی لحاظ سے نامکمل ہیں؟ چونکہ مستقبل میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے حد درجہ ضروری اذہان فراہم کرنے والیوں کی حیثیت سے یہ تعلیم یافتہ خواتین خصوصی اہمیت کی حامل تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو عجیب وغریب صورت حال میں پایا۔ حکومت جسے عام طور پر ان طریقوں سے کام کروانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ان کی خوشامد اور چاپلوسی کر رہی تھی اور مردوں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے صرف ان کی رائے لی جا رہی تھی۔ وزیراعظم سے کچھ کم استحقاق رکھنے والے ایک وزیر نے اس بات کی بلاواسطہ معلومات حاصل کرنے کے لئے کہ پڑھی لکھی سنگاپوری عورت مزید پڑھے لکھے سنگاپوری مرد سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔ خود چند تعلیم یافتہ خواتین کا انٹرویو کیا ان کے دلائل سن کر وہ قائل ہو گیا کہ سب قصور سنگاپوری مردوں کا ہے لہٰذا انٹرویو ختم ہونے کے بعد اس نے اپنی توجہ پڑھے لکھے مردوں کی طرف

MashalBooks.com

مبذول کی۔ انہیں ان کے غلط رویے پر جھڑکا اور سختی سے مشورہ دیا کہ وہ خود کو بدلیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مرد تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ابھی تک اس عقیدے پر یقین رکھتے تھے کہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے انہیں اپنے سے کچھ کم پڑھی لکھی عورت سے شادی کرنی چاہئے۔ کیونکہ صرف اسی طرح ازدواجی برتری کو جو ایشیائی مرد کے لئے اہم ہوتی ہے یقینی بنایا جا سکتا ہے نتیجتاً ہر سال یونیورسٹی سے نکلنے والی ایسی تعلیم یافتہ خواتین کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا تھا شادی کی مارکیٹ میں جن کی مانگ کم تھی اس طرح ایک متعلقہ سرکاری عہدیدار کے الفاظ میں ''صف نسواں'' کے بنیادی فریضے سے محروم ہو رہی تھیں''

اس تنگ نظری کے علاوہ سنگاپوری مرد میں ایک اور عیب بھی تھا وہ لباس بننے سنورنے اور معاشرتی نفاست پسندی کے معاملات میں مغربی مرد سے افسوسناک حد تک پیچھے تھا۔ وزیر نے جن غیر شادی شدہ تعلیم یافتہ خواتین کا انٹرویو لیا، ان میں سے جو ذرا بے باک تھیں انہوں نے دوٹوک الفاظ میں سنگاپوری مردوں میں معاشرتی نزاکت کے فقدان کی بات کی ایک نے تو وزیر کے منہ پر یہاں تک کہہ دیا کہ سنگاپوری مرد قطعی غیر دلکش، تنگ نظر اور حاسد ہیں اپنے دفتر میں تو وہ صحیح الدماغ ہوتے ہیں لیکن باہر عام زندگی میں وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں جیسے انہیں یقین نہ ہو کہ کیا کہنا یا کس طرح پیش آنا ہے اور خواتین کی موجودگی میں تو وہ قطعی طور پر پھوہڑ پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

''ایسے مردوں سے کون شادی کرنا چاہے گا'' انٹرویو دینے والی ایک خاتون نے خطیبانہ انداز میں پوچھا۔ وزیر نے اس کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ صحیح کہہ رہی ہے سنگاپوری خواتین اتنی خود مختار ہو رہی تھیں کہ ان کے لئے مردوں کی لغویات کو اس سے زیادہ برداشت کرنا ممکن نہیں رہا تھا مردوں کے حق میں یہی بہتر تھا کہ انہیں ان کا رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کیا جائے اور معاشرتی آداب سکھائے جائیں۔ وزیر نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ وزیر تعلیم سے ملے گا اور پوچھے گا کہ کیا معاشرتی آداب کو سولہ اور سترہ سالہ طالب علموں کے نصاب میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ جب اس نے شائستگی سے انٹرویو ختم ہونے کا اشارہ کیا اور اس خاتون کو پر اعتماد انداز میں باہر جاتے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ مسئلے کی جڑ تک پہنچ گیا ہے۔ اگر اسے اپنی مرضی کرنے کا اختیار ہوتا تو وہ یہ حکم دے دیتا کہ تمام کنوارے مرد اپنی ضد پر اڑے رہے تو دفتر میں ان کی سالانہ ترقی رک جائے

گی ،لیکن اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا کام سوشل ڈویلپمنٹ یونٹ کے ذمے تھا جس کا نگران ایک انتہائی محتاط اور حقیقت پسند سینئر وزیر تھا اپنی ٹاسک فورس کو بھی یہ تاکید کرنے سے نہ چوکتا کہ اپنے منصوبے کو جس حد تک ممکن ہو خفیہ رکھیں ، لہٰذا سوشل ڈویلپمنٹ بڑی بہادری سے اس ہرزہ سرائی سے بچا رہا جس کا نشانہ کچھ لوگ بشمول مخصوص اراکین پارلیمنٹ اسے بنانے پر تلے ہوئے تھے ۔ یہ محکمہ چپکے سے لیکن تسلی بخش طریقے سے کنوارے مردوں اور عورتوں کے متعلق معلومات جمع کرتا اور اس طرح کے مختلف پروگرام ترتیب دینے کی منصوبہ بندی کرتا رہا جن کا مقصد ان کو اچھے ماحول میں ایک دوسرے کے قریب لانا تھا۔اس لئے ڈانس پارٹیاں اور تفریحی دورے منعقد کیے گئے چونکہ ان پر اچھی خاصی لاگت آئی اس لئے حزب مخالف کے کچھ ارکان نے سوال بھی کیا کہ ٹیکس دہندگان کا پیسہ اتنی بے دردی سے کیوں لٹایا جارہا ہے لیکن یہ اعتراضات سنجیدہ نوعیت کے نہیں تھے اور ان کا مقصد اسمبلی میں محض شوروغل مچانا تھا جو پورے دن کی اکتانے اور تھکا دینے والی کارروائی کے بعد زیادہ خوشگوار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ان اعتراضات سے سوشل ڈویلپمنٹ یونٹ کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوئی ۔ اصل رکاوٹ تو غیر شادی شدہ افراد کا کنوارے رہنے کا عزم تھا، لہٰذا ایک سال تک پوری تگ و دو کرنے کے باوجود یہ محکمہ صرف دو شادیاں کرانے میں کامیاب ہوسکتا۔

مسلمہ طور پر کنواری عورتوں کی سب سے بڑی تعداد سکولوں میں پائی جاتی تھی ۔ صرف مس پونیا کے سکول میں پانچ کنواریاں تھیں ۔مس پونیا جن کی عمر چھیالیس برس تھی وائس پرنسپل مادام چینگ جو پچاس کے پیٹے میں تھیں مس ڈی سلوا جو بیالیس سال کی تھیں اور مس ہوا ود مس ٹانگ جو تقریباً پینتیس سال کی تھیں وہ سب زیادہ حسین وجمیل بھی نہیں تھیں ۔ ادھر وہ اپنی شادی شدہ رفقاء کار کے مقابلے میں واضح طور پر سادہ اور بدلباس دکھائی دیتیں ۔ پھر بھی مس پونیا بہتوں سے بہتر تھیں اس کی بنیادی وجہ ان کی ساڑی جس کے رنگوں کے انتخاب کے معاملے میں میں وہ بہت زیادہ محتاط تھیں ۔سنہری زنجیر بالیاں اور دیگر زیورات تھے ۔ گو مس ڈی سلوا کے جو بہت بھڑکیلے رنگوں کی ساڑیاں اور بڑے بڑے زیورات پہنتی تھیں برعکس مس پونیا بہت نفیس زیورات اور مدہم رنگوں کا لباس پہنتی تھیں ان میں وہ بہت پرکشش نظر آتیں مس ڈی سلوا کو جس کے بارے میں سب کا خیال تھا کہ وہ بہت غیر شائستہ ہے حالانکہ اس کے سامنے سب اس کے لباس اور زیورات کی تعریف

MashalBooks.com

کرتے ، نکال کر مس پونیا بہہ سانی سکول کی سب سے قابل پیش کش کنواری خاتون تھیں ۔ دبلی پتلی اور پراگندہ صورت وائس پرنسپل مادام چینگ کسی طرح بھی اس دور میں شامل نہیں تھیں مس ہو وائی چن ایسی عمر میں جب کچھ خواتین اپنی جوانی کے عروج پر ہوتی ہیں بوڑھی اور تھکی تھکی دکھائی دیتی تھیں ۔ جب کہ مس اینی ٹانگ جو کسی بیماری کی وجہ سے بہت زیادہ موٹی ہو گئی تھیں ، کا چہرا کسی زمانے میں یقیناً خوبصورت ہو گا لیکن اس کی دلکشی بہت عرصہ پہلے ہی ٹھوڑی پر سلوٹیں پڑنے کے ساتھ غائب ہو چکی تھی ۔ شادی شدہ اساتذہ بشمول مرد اساتذہ اس بات پر متفق تھے کہ ان کی کنواری ہم کاروں کا بیاہا جانا ناممکن ہے ۔ اس بات پر اتفاق کرنے کے بعد ان کی یہ پوچھ گچھ کیا مس ہو یا مس ٹانگ یا مس پونیا کو رشتے طے کرانے کے منصوبے کے تحت ہونے والی دعوتوں میں مدعو کیا گیا تھا یا نہیں ، میں کاٹ دینے والا تیکھا پن تھا ۔ اس طرح کا سوال کبھی براہ راست نہیں کیا گیا حتیٰ کہ مس ڈی سلوا جو کھلم کھلا مردوں پر ڈورے ڈالتی تھیں ، سے بھی نہیں کیوں کہ اگر اسے کسی قسم کی ہتک محسوس ہوتی تو وہ بدمزاجی پر اتر سکتی تھی ۔ اس طرح کا سوال سن کر مس ہو کہ چہرے پر سرخی کی لہر دوڑ گئی ہوی جب کہ مس ٹانگ پریشان ہو گئی ہوتی اور اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں سوال پوچھنے والے کے چہرے پر مرکوز کر دی ہوتیں ۔

اور مس پونیا ، نفاست پسند مس پونیا کو اس سوال سے اتنا شدید دھچکا لگا ہوتا اور ان کے چہرے پر اتنی پریشانی امڈ آتی کہ سوال پوچھنے والا شرمندہ ہو گیا ہوتا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مس پونیا کسی سے بھی اس قسم کے موضوع پر گفتگو نہیں کرتی تھیں اور اپنے آپ میں مگن رہتی تھیں پھر بھی وہ ایک مرتبہ محبت کر چکی تھی ، نہایت شدید محبت بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے وہ ڈاکٹر چیلم نامی ایک نوجوان کی محبت میں گرفتار ہوئی تھیں یا پھر دوسرے الفاظ میں وہ پہلی ہی نظر میں ان کی زلف کا اسیر ہو گیا تھا اور جب اس نے انہیں یہ بتانے کے لئے خط لکھا تو یہ ان کی محبت کی ابتدا تھی ۔ وہ ایک دوسرے کو خفیہ طور پر خط بھیجتے ۔ کل ملا کر مس پونیا نے چھ خط لکھے اور انہیں آٹھ خط موصول ہوئے اس کے بعد مس پونیا کے باپ کو خبر ہو گئی اور یہ معاملہ جسے وہ موجب رسوائی سمجھتا تھا اختتام پذیر ہو گیا ۔

باپ وہ بہت سخت اور قدامت پسند تھا اور مس پونیا اس کی اکلوتی بیٹی تھی اس نے کبھی کھل کر کبھی نہیں بتایا کہ ڈاکٹر چیلم جیسے اچھے خاندانی پس منظر تعلیمی ریکارڈ اور باکردار نوجوان میں کیا کمی ہے لیکن اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ نہ کرنے کے فیصلے پر اٹل رہا ۔

MashalBooks.com

مس پونیا کی پھوپھو جنہوں نے اسے بہترین موقع گنوا دینا قرار دیا، کیونکہ چھبیس سالہ مس پونیا نوجوان نہیں رہی تھیں اس پر بہت ناراض تھیں انہوں نے اس کے باپ کو بہت ڈانٹا حتیٰ کہ رشتہ داروں سے شکایت بھی کی کہ اس کے رنڈاپے نے اسے خودغرض بنا دیا ہے اور وہ صرف اپنے آرام کے متعلق سوچتا ہے کچھ عرصہ وہ نوجوان مزید تعلیم کی غرض سے برطانیہ چلا گیا اور مس پونیا نے اسے دوبارہ کبھی نہ دیکھا۔

اس کے بعد کے سال اطاعت شعاری سے علیل باپ کی تیمارداری میں گزرے۔ مس پونیا نے کبھی شکوہ یا شکایت نہ کی لیکن اپنے دل میں وہ اپنی محبت کو کھونے کا ماتم کرتی رہی چونکہ وہ اپنے جذبات واحساسات کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتی تھیں اور کسی کو اپنا ہم راز بنانے سے کتراتی تھیں، اس لئے انہوں نے اپنی محبت کو بیٹی اور استانی کی حیثیت سے روزمرہ کی مصروفیات تلے دبا دیا لیکن اپنے کمرے میں اکیلے پڑے پڑے ڈاکٹر چیلم کے برطانیہ جانے کے بعد تنہا مہینوں کے دوران مس پونیا بہت غمگین ہو جاتی تھیں۔ انہوں نے خودکشی کرنے کے متعلق بھی غوروخوض کیا تھا۔ بے اطمینانی اور اپنے باپ کے لئے دل میں بسنے والے غصے کے خلاف طویل جدوجہد وہ کر رہی تھیں۔ اس کا علم صرف انہیں تھا۔ آخرکار یہ جدوجہد بھی ختم ہوگئی اور ماضی کو بھلانے کے عزم کے ساتھ وہ پہلے سے زیادہ اطاعت شعار ہوگئیں۔

اپنی محبت کو بھلانا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا اسے کسی خالص چیز میں بدلنا تھا۔ مس پونیا کی اذیت کی کٹھالی میں پڑ کر ڈاکٹر چیلم کی محبت ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہوگئی تھی۔ لہٰذا اب یہ ان کے دل میں محفوظ قیمتی ترین سونا تھی کیونکہ انہوں نے سنا تھا کہ ڈاکٹر چیلم نے بھی شادی نہیں کی۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے ملائشیا میں سکونت اختیار کر لی جہاں وہ ایک بڑے نجی ہسپتال سے منسلک تھا لیکن اس نے کبھی شادی نہ کی۔ مس پونیا سن چکی تھیں کہ رشتہ داروں کی طرف سے اس کی شادی کروانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن وہ جوانمردی کے ساتھ کنوارہ ہی رہا۔ یہ بات صرف مس پونیا جانتی تھیں کیونکہ وہ شکستہ دل گیا تھا اور شکستہ دل ہی لوٹا تھا۔ اس عورت کو جس سے وہ شادی نہیں کر سکا تھا بھلانا اس کے لئے تقریباً ناممکن تھا۔ مس پونیا کا باپ اسی سال کا ہو کر انتقال کر چکا تھا۔ اس وقت مس پونیا کی عمر چالیس سال تھی، اور ان کی صحت تقریباً بیس سال سے ان کے وفادار دل میں دفن تھی۔ اس یقین سے کہ اس شخص نے جس نے بہت عرصہ پہلے ان سے اظہار محبت کیا تھا۔

ان کی یاد بھی اپنے وفا شعار دل میں زندہ رکھی ہوئی ہے ان کی خفیہ محبت کو قریب قریب مذہبی خصوصیت بخش دی تھی، درحقیقت وہ خاصی مطمئن تھیں۔

ہر روز وہ ڈاکٹر چیلم کے متعلق سوچتیں اور اپنے کمرے کی تنہائی میں اس کے خطوط بار بار پڑھتیں اور سوچتیں کہ کوئی اور عورت اس کے دل میں وہ جگہ نہیں بنا سکی جو ان کی تھی۔ انہوں نے اس کی زندگی میں ایک خلا چھوڑ دیا تھا جیسا کہ اس نے اپنے آخری خط میں کہا تھا اور وہ خلا نہیں بھرا تھا۔ درحقیقت وہ خلا بھرا بھی نہیں جا سکتا تھا، کیونکہ وہ پہلے ہی ان کی یاد سے پاک ہو چکا تھا۔ اس خیال سے مس پونیا کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور یہ آنسو مسرت اور گہری ممنونیت کے ہوتے۔

سکول میں پڑھاتے ہوئے مس پونیا نے اس راز کو دل میں چھپائے رکھا۔ ان کی الگ تھلگ سادہ دنیا بھی کینہ توز لاف گزاف سے آزاد نہیں تھیں۔ انہیں ڈاکٹر چیلم اور اس کے کچھ ہم کاروں کی لاابالی ناکتخدا زندگی کی خبریں ملتی رہتیں، لیکن یہ افواہیں ان کے لئے پریشان کن تک نہیں تھیں کیونکہ بہت عرصہ پہلے ڈاکٹر چیلم کے لئے اپنی محبت اور اپنے لئے اس کی محبت کو ارفع محبت کی قربان گاہ پر مقدس بنانے کے بعد کوئی بھی چیز جو اس ترفع میں اضافہ نہیں کرتی تھی، ان کے شعور سے خارج ہو جاتی تھی۔

''مجھ سے محبت کی جاتی ہے'' مس پونیا نے سوچا، انہیں کبھی ڈاکٹر چیلم کے ساتھ دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ ان کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ شادی نہ کر سکتے ''مجھ سے محبت کی جاتی ہے اور میں محبت کرتی ہوں'' مس پونیا نے سوچا ان کی محبت میں پوری دنیا پر محیط ہو جانے کی طاقت تھی یہ محدود قسم کی محبت نہیں تھی بلکہ کائناتی محبت تھی جو سب تک پہنچتی اور ہر ایک کو ان کے چہیتے باپ کو جو بہت پہلے اس دنیا سے جا چکا تھا ان کا خیال رکھنے والی پھوپھو کو، ان کی دوستوں کو، ان کی طالبات کو، سکول کی پرنسپل کو، زود رنج مس ٹانگ کو واہیات مس ڈی سلوا کو اور تمام مرد اساتذہ کو اپنے احاطے میں لیتی۔ مس پونیا کو جن کا راز ان کے دل میں محفوظ تھا اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں تھی کہ لوگ ان کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ ان کا راز ان کے گرد ایک حفاظتی قلعہ بنا چکا تھا لہٰذا وہ حال اور مستقبل کی زیادتیوں سے بچ جاتیں اور خوش تھیں۔ کسی بھی خوش کن راز کو ایک عرصہ کے بعد دنیا کے سامنے آشکارا ہونے کی

MashalBooks.com

ضرورت ہوتی ہے۔مس پونیا نے جو ثانوی جماعت کی طالبات کو انگریزی پڑھاتی تھیں۔ تختہ سیاہ پر کسی اور نام کی بجائے ''ڈاکٹرسی'' لکھ دیا پہلی مرتب ایسا کرنے کے بعد انہیں اپنی ہمت پر حیرت ہوئی۔انہوں نے فقرہ پڑھا، طالبات نے ہم آواز ہوکران کے ساتھ پیچھے فقرہ دہرایا۔ان کے محبوب کے نام میں کسی طلسم کی طرح مسحور کر دینے والی طاقت تھی مس پونیا نے ایسے بہت سے دوسرے جملے بنائے جن میں ڈاکٹرسی'' آتا تھا اور طالبات کو اس کا نام دہراتے ہوئے سنا پھر بھی ان کا راز محفوظ تھا کیونکہ طالبات کو کسی قسم کا شبہ نہ ہوا لیکن جب ڈاکٹرسی نے ایسے جملوں میں بھی آنا شروع کر دیا جن کا طب سے کوئی تعلق نہیں تھا تو ہوشیار طالبات کو حیرت ہوئی اورانہوں نے ایک دوسرے سے سرگوشی کی ''مس پونیا ڈاکٹرسی کے متعلق کیوں لکھ رہی ہیں؟ کیا یہ ان کے عاشق کا نام ہے؟''

اس دریافت پر ہیجانی کیفیت محسوس کرتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ مس پونیا سے پوچھیں کہ ڈاکٹرسی کون ہے اورسی کون سے نام کا مخفف ہے،لیکن پھر ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جماعت کی سب سے نڈر طالبہ فو نگ ین نے ایک صبح مس پونیا کی میز پر گلاب کا پھول اور کارڈ جس پر''تمہارے عاشق ڈاکٹرسی کی طرف سے'' لکھا ہوا تھا، رکھ دیے اور سب نے مس پونیا کے جماعت میں آنے اوراپنے عاشق کے تحفے پر ردعمل کا اظہار دیکھنے کے لئے سانس روک کر انتظار کیا۔مس پونیا کا فوری ردعمل یہ تھا کہ انہوں نے گلاب اور کارڈ کو دور پھینک دیا کیونکہ کسی اور لکھائی میں لکھا ہوا نام ان کے لئے بیگانہ تھا اور لفظ ''عاشق'' کا استعمال تو بدتمیزی کی انتہا تھی پھر انہوں نے خود کو فوراً سنبھالا اوراپنے حواس بحال کئے صرف ایک منٹ بعد وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئیں اور پھر اس دن کا سبق پڑھانا شروع کر دیا۔

مس پونیا سے زیادہ مضبوط اعصاب والا کوئی شخص اس طرح کی گھٹیا شرارت سے پریشان نہ ہوا ہوتا اور لاتعلقی سے ڈاکٹرسی کا حوالہ دینا جاری رکھتا جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو اس طرح شرارت کرنے والی لڑکی کو سزا دیتا لیکن مس پونیا نے یہ اشارہ ملتے ہی کہ ان کا راز خطرے میں ہے، اسے دوبارہ محفوظ کر لیا اور پہلے سے بھی زیادہ احتیاط سے اس کی حفاظت کرنے کا عزم کر لیا انہیں اپنے راز کے آشکار ہونے کا پچھتاوا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اب فو نگ ین جیسی عام لڑکیاں یہ قیمتی نام لیں گی سبق ختم ہونے کے بعد وہ ہمیشہ کی

MashalBooks.com

طرح پر اعتماد انداز سے چلتی ہوئی جماعت سے باہر آ گئیں۔ فو نگ ین بھا گی بھا گی پھول اور کارڈ واپس لینے آئی، اسے کچھ لڑکیوں کی طنز آمیز ہنسی برداشت کرنا پڑی۔

اور اب اس راز کو دنیا کے ناپاک کانوں اور آنکھوں سے دور رکھنے کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ تھی جب تعلیم یافتہ کنواری خواتین کے مسئلے نے دوبارہ سر ابھارا تو سوشل ڈویلپمنٹ یونٹ پر بہتر کارکردگی دکھانے کا دباؤ پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ نتیجتاً اخبارات نے ایک مرتبہ پھر اس موضوع میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور مس پونیا جیسی غیر شادی شدہ خواتین ایک مرتبہ پھر غیر ضروری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ مس پونیا کو شبہ تھا کہ ان کا راز اب کمرہ جماعت کی دیواروں سے باہر نکل چکا ہے اور سکول میں ہر طرف پھیل چکا ہے کیونکہ سٹاف روم میں ہونے والی سرگوشیوں سے انہیں پتہ چل چکا تھا کہ کچھ لوگ ان کی زندگی میں ایک مرتبہ کسی شخص کی موجودگی سے آگاہ ہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں کسی نے ان سے چھیڑ خانی نہیں کی۔ خوش قسمتی سے مس ڈی سلوا ایک ایسے رومان میں مگن تھیں جسے خفیہ رکھنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی، اس لئے وہ کسی دوسرے کے معاملات پر توجہ نہیں دے رہی تھیں۔ بظاہر مس ڈی سلوا چھٹیاں گزارنے بیرون ملک جاتی تھیں اور مرد اساتذہ کے مطابق سکول واپسی پر بہت زیادہ تھکی تھکی نظر آتی تھیں۔ جب بھی وہ اپنے متعلق گفتگو کرتیں مرد اساتذہ بڑے انہماک سے سنتے اور پھر ایک دوسرے کو اس کے متعلق گدگدی آمیز باتیں بتانے کے لئے کینٹین کا رخ کرتے، لہٰذا خوش قسمتی سے مس ڈی سلوا نے اپنی توجہ کا رخ مس پونیا کی طرف نہیں کیا۔

مس پونیا نے اپنے راز کے گرد خاموشی کا گھیرا ڈال دیا اور اپنی زندگی دوبارہ وہیں سے شروع کی جہاں وہ وقتی طور پر منقطع ہو گئی تھی۔

''مجھ سے محبت کی جاتی ہے اور میں ابھی تک محبت کرتی ہوں'' مس پونیا نے سوچا لیکن تھوڑی رنجیدگی کے ساتھ کیونکہ ان کے راز کے ارد گرد کی فضا مس ڈی سلوا کی دنیا کی فضا سے آلودہ ہو گئی تھی۔ مس پونیا نے خود کو یہ سہال کرتے ہوئے پایا اور پھر سوال کرنے پر اپنے آپ کو ملامت کی'' کیا یہ درست ہے کہ ڈاکٹر چیلم نے مجھ سے بے وفائی کی ہے'' شک کے بند پھاٹک اب کھل چکے تھے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی لاتعداد سوالوں کے سیلاب میں بہہ چکی تھیں'' میں نے اس سے اس وقت شادی کیوں نہ کی؟ میرے میں اپنے

باپ کے فیصلے کے خلاف مزاحمت کرنے کی ہمت کیوں نہ تھی؟ میں نے ایسا کیوں کیا...... میں نے ایسا کیوں کیا......اگر میں نے صرف......اگر میں نے صرف......''

مس پونیا نے جو اس سمت سے سراسیمہ تھیں جو ان کے خیالات اختیار کر رہے تھے اینٹھن کے ساتھ سانس لینے کی کوشش کی اور ارد گرد دیکھا اور مطمئن ہوئیں کہ وہ کمرے میں اکیلی ہیں۔انہوں نے سر درد کی گولی کھائی اور منہ ہاتھ دھو کر اور احتیاط سے بال بنا کر واپس سکول چلی گئیں۔آج سہ پہر کے وقت لائبریری میں مطالعہ کرنے والی لڑکیوں کی نگرانی کرنے کی باری ان کی تھی۔فو نگ ین چل کر ان کے پاس آئی اور بڑی اخلاص مندی سے ہکلانے لگی'' میں اپنی جمعہ والی حرکت پر شرمندہ ہوں، میرا مقصد آپ کو ناراض کرنا نہیں تھا میں واقعی شرمندہ ہوں'' مس پونیا مسکرائیں اور حلیمی سے کہا'' ٹھیک ہے فو نگ ین'' اور طمانیت سے آگے چل پڑیں۔فو نگ ین دوڑی دوڑی ان تک پہنچی اور دوبارہ گویا ہوئی'' مس پونیا اب ہم سب جانتے ہیں کہ ڈاکٹر سی آپ کے نہیں مس ڈی سلوا کے عاشق کا نام ہے انہوں نے ہمیں ان کے متعلق بتا دیا ہے''

''فو نگ ین مس ڈی سلوا نے تمہیں کیا بتایا ہے''

''انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کا نیا دوست بہت ہی کامیاب ڈاکٹر ہے اس کا نام ڈاکٹر چیلم ہے اور وہ کوالا لپور میں رہتا ہے وہ جون میں شادی کر رہے ہیں اور ہنی مون اٹلی میں منائیں گے'' فو نگ ین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''بس بس فو نگ ین تمہیں گپیں نہیں ہانکنی چاہئیں''۔

''لیکن میں گپیں نہیں ہانک رہی مس پونیا، مس ڈی سلوا نے ہمیں واقعی یہ سب کچھ بتایا ہے وہ بہت خوش تھیں۔''

مس پونیا پرسکون انداز سے لائبریری میں لڑکیوں کی نگرانی کرتی رہیں لیکن غم کا چشمہ پھوٹ چکا تھا اور اسے روکا نہیں جا سکتا تھا وہ ان کے گلے تک پہنچ گیا لہٰذا ہر مرتبہ جب بیچاری مس پونیا کسی لڑکی کے جو کسی لفظ کا مطلب پوچھنا چاہتی تھی، سوال کا جواب دینے کے لئے بولتیں تو ان کی آواز کانپتی، پھر اس غم نے آنکھوں تک پہنچنے اور انہیں بھر دینے کی دھمکی دی تو کوئی اور چارہ نہ پاتے ہوئے انہوں نے اپنی سوچوں کا دھارا بدلا تا کہ اپنی توجہ کسی اور چیز پر مرکوز کر سکیں۔اب انہوں نے اپنا سر گرامر کی کتاب پر جھکا دیا اور اگلے

ہفتے فعل احتمالی کے سب کی تیاری کرنے کی کوشش کی۔

مس ڈی سلوا نے انہیں اپنے اندر گم اس حالت میں پایا اور ان سے سرگوشی کی:

''فارغ ہونے کے بعد سٹاف روم میں آ جانا میں تمہیں ایک بہت دلچسپ بات بتانا چاہتی ہوں جس کا تم سے بھی تعلق ہے۔مس پونیا نے اپنی کتاب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے صرف اپنا پرسکون چہرہ اوپر اٹھایا تاکہ کمزور مسکراہٹ کے ساتھ کہہ سکیں'' کیوں نہیں۔''

جب لائبریری کا گھنٹہ ختم ہوا تو مس پونیا اپنی ساڑی اپنے گرد سمیٹتی ہوئی سٹاف روم میں گئیں جہاں مس ڈی سلوا اکیلی بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔مس ڈی سلوا نے جو سکول کی واحد خاتون سگریٹ نوش تھیں، سگریٹ جلایا ایک لمبا کش لیا اور پھر اپنے گول ہونٹوں سے دھواں خارج کرنے کے لئے اپنی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے مس پونیا کی طرف دیکھنے اور ان کا بغور جائزہ لینے کے لئے اپنے چہرے کا رخ ان کی طرف موڑ دیا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ڈاکٹر چیلم کو جانتی ہو!'' انہوں نے اپنی کرسی سے ٹیک لگا کر ایک طرف کو جھکتے ہوئے تاکہ ایک لاتعلق احساس برتی سے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی مس پونیا کا جائزہ لے سکیں، کہا:

''میں اسے بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے جانتی تھی'' مس پونیا نے پرسکون انداز سے کہا جب کہ اس بیہودہ سگریٹ نوش عورت کو اپنے محبوب کا نام لیتے ہوئے سن کر اس کے دل میں غصے کی لہر دوڑ گئی تھی۔''تم اسے بیس سال پہلے جانتی تھی میں اسے اب جانتی ہوں جلد ہی میری اور اس کی شادی ہونے والی ہے۔'' اس نے اپنی آنکھوں میں ایک فتح مند چمک کے ساتھ سیدھا اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔حال نے ماضی کو للکارا۔حال ماضی کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن مس پونیا نے اپنے حواس بحال رکھے اور خاموش اور مستحکم آواز میں جواب دیا'' وہ مجھ سے تب بھی محبت کرتا تھا وہ مجھ سے اب بھی محبت کرتا ہے۔''

''تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو؟'' مس ڈی سلوا نے مطالبہ کیا'' وہ مجھ سے شادی کر رہا ہے'' اس کا لہجہ کرخت ہو گیا۔یہ اشتعال انگیز منطق کی کرختگی نہیں تھی۔وہ مس پونیا کے دعوے کی غیر معقولیت آشکارا کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی بلکہ اس کے اندر خوف تھا کیونکہ وہ اپنی شادی سے دو ہفتے پہلے خود کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ جس آدمی کو تلاش کرنے

میں اس نے اپنی پوری زندگی گزاری تھی اور آخر کار ڈھونڈ لیا تھا، وہ کسی اور سے محبت کرنے کا ارادہ تو نہیں رکھتا۔ پرعزم اور پوری طرح محفوظ مس ڈی سلوا کے چیلم کی زندگی میں داخل ہونے کے بعد اس کی سابقہ محبتیں جن میں سکول کی وہ طالبات بھی شامل تھیں، جو اپنے گھر والوں سے چھپ کر اچھا وقت گزارنا چاہتی تھیں، کسی شکست خوردہ فوج کی طرح بکھر گئی تھیں چیلم ان نوجوان من موجی لڑکیوں سے تھوڑا اکتانا شروع ہو گیا تھا اور ان کے بدلے میں مس ڈی سلوا جیسی عورت اسے زیادہ برا سودا نہیں محسوس ہوئی تھی۔ مس ڈی سلوا اپنی تمام حریفوں پر غالب آ گئی تھی اور پھر اس لمحے جب اس نے محسوس کیا کہ اس کے لئے میدان خالی ہے تو چیلم نے اسے مس پونیا کے متعلق بتایا۔ اس نے بتایا کہ مس پونیا ایک شریف خاتون ہے جس سے وہ بہت سال پہلے محبت کرتا تھا اور شادی کی تجویز پیش کر چکا تھا اس کا تذکرہ اتفاقیہ طور پر اس نے کیا تھا۔ درحقیقت وہ اس کے متعلق سب کچھ بھول چکا تھا اور مس ڈی سلوا کی کسی بات پر ہی اسے اچانک یاد آیا تھا کہ اس کی منگیتر اسی سکول میں پڑھاتی ہے جس میں وہ خاتون جسے وہ بہت عرصہ پہلے شادی کی دعوت دے چکا تھا اس نے کسی پونیا کے متعلق پوچھا۔ مس ڈی سلوا نے جو جام تیار کر رہی تھیں فوراً اس کی طرف دیکھا اور اس کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ اس کو شدید نظروں سے اپنی طرف دیکھتا ہوا پا کر چیلم وقتی طور پر پریشان ہو گیا اور مس ڈی سلوا نے اس سے اخذ کیا کہ اس کے پہلے دعوے کے برعکس مس پونیا اس کی پہلی اور حقیقی محبت تھی۔ مس ڈی سلوا کا احساس عدم تحفظ ایک مرتبہ پھر اس کے خیالات کو بے چین کرنے کے لئے لوٹ آیا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا تھا کہ چیلم کی معشوقائیں منظر سے غائب ہو چکی تھیں یا نہیں۔ اس سے یہ فرق نہیں پڑتا تھا کہ مستقبل میں کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ چیلم کو کس طرح قابو میں رکھنا ہے جس بات سے فرق پڑتا تھا (کیونکہ یہ اس کی موجودہ خوشی کی کاملیت پر دھبا تھی) وہ یہ تھی کہ ماضی میں چیلم کی زندگی میں ایک عورت رہ چکی تھی اور اس عورت کی یاد اس کے اور اس کے عاشق کے درمیان حائل ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر چیلم سے بے خبری میں ہونے والے اس انکشاف کے بعد کے دنوں میں مس ڈی سلوا کی ملکیت اور تحفظ کی تمام جبلتیں بیدار ہو گئیں تا کہ چیلم سے ماضی کے بارے میں ہر بات اگلوا سکیں اور اسے اس وقت تک چین کا سانس نہ لینے دیں، جب تک وہ اسے

ہر بات نہ بتا دے اور یہ یقین دہانی نہ کرا دے کہ وہ عورت اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی، وہ اس سے تب بھی محبت نہیں کرتا تھا اور اب بھی۔ وہ اس کے متعلق کبھی نہیں سوچتا۔ بیس سال پہلے کے واقعات کو ڈاکٹر چیلیم قریب قریب بھول چکا تھا۔ درحقیقت مس ڈی سلوا کی زبان سے اس کے چہرے کے تاثرات روشن ہو گئے تھے، اس بات سے بے خبر کہ اس کی منگیتر کی آنکھیں تمام وقت اس کے چہرے پر جمی رہیں، ڈاکٹر چیلیم نے مس پونیا کی خوبصورتی اور باپ کے ساتھ اس کی وفا شعاری کے متعلق سوچا۔ اپنی منگیتر کو حسد کی آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر اسے وہ خوش کن احساس ہوا جس کا تجربہ کسی آدمی کو تب ہوتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس سے ایک نہیں دو عورتیں محبت کرتی ہیں اور اس کی محبت کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے تیار ہیں، لیکن جب مس ڈی سلوا کی تفتیش زیادہ مستقل اور تنگ مزاج ہوگئی تو یہ احساس جھنجھلاہٹ میں بدل گیا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ اب مس ڈی سلوا قائل ہو چکی تھیں کہ اس کا منگیتر کچھ چھپا رہا ہے اور وہ پہلی مرتبہ جھگڑے، جس طرح عشاق کے جھگڑے با آسانی طے ہو جاتے ہیں انہوں نے وعدہ کیا کہ آئندہ یہ موضوع نہیں چھیڑیں گے لیکن مس ڈی سلوا نے دل ہی دل میں کوالالمپور سے واپس لوٹتے ہی مس پونیا سے مڈبھیڑ کرنے کی منصوبہ بندی کرنا شروع کر دی۔

''وہ تم سے محبت نہیں کرسکتا کیونکہ وہ میرا شوہر بننے والا ہے تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے؟'' اس نے مس پونیا سے مطالبہ کیا۔

''میں کسی کو اپنے راز میں شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ کم از کم تو نہیں'' مس پونیا نے دھیمی آواز میں کہا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''رکو'' مس ڈی سلوا نے کہا ''تم اس سے اتنے سال سے نہیں ملیں اور نہ ہی وہ تم سے ملا ہے، کیا تم یہ نہیں سمجھتیں کہ اگر اسے تمہارا تھوڑا سا بھی خیال ہوتا تو اس نے تم سے ملنے کی کوشش کی ہوتی؟ لہٰذا میں یہ کہوں گی کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اس طرح تم لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتی ہو کہ کوئی تمہیں ٹوٹ کر چاہتا ہے...... حتیٰ کہ طالبات بھی جانتی ہیں...... لیکن یہ ہمیشہ ایک آرزومند خواب رہا ہے۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس خواب سے جاگ جاؤ، دو ہفتے بعد میری اور تمہارے محبوب کی شادی ہو رہی ہے''

''تم سے بات کرنا بے کار ہے'' مس پونیا نے اس اعتماد سے کہا کہ جو مس ڈی سلوا کو پاگل کیے دے رہا تھا ''جیسا کہ میں نے کہا ہے میرا کسی کو اپنے راز میں شریک کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔تمہاری شادی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اس نے غم میں میری کفالت کی ہے، میری طاقت رہا ہے، کفالت کی یہ طاقت صرف محبت میں ہوتی ہے۔

''تم محبت کے متعلق کیا جانتی ہو'' مس ڈی سلوا نے جو مس پونیا کے خوابوں کو محل کو چکنا چور کرنے کے درپے تھی حقارت سے کہا ''تم ایک بے حس عورت ہو اگر ڈاکٹر چیلم نے تم سے شادی کی ہوتی تو یہ اس کی بدقسمتی ہوتی وہ اتنا محبت کرنے والا انسان ہے'' وہ مس پونیا کی خوداعتمادی کو پاش پاش کرنے کی کوشش میں جھگڑے پر اتر آئی۔مس ڈی سلوا نے بے قراری سے اپنی کرسی پر جگہ بدلی اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں وہ نہیں چاہتی تھی کہ مس پونیا ابھی کمرے سے جائیں لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ انہیں کمرے میں کس طرح ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

''تم نے مجھے جو بتایا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے جو ڈاکٹر چیلم نے مجھے بتایا'' اس نے حقارت آمیز لہجے میں بات جاری رکھی۔اس نے اپنی نئی چال کے ردعمل کا انتظار کیا مس پونیا برابر کا جوڑ تھیں انہوں نے کہا ''جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا تم خواہ کتنی بھی کوشش کیوں نہ کرو وہ تمہیں کبھی کچھ نہیں بتائے گا وہ ایسا نہیں کرسکتا، تم جانتی ہو وہ ایسا نہیں کرسکتا اور یہ ہمیشہ ہمارا راز ہی رہے گا'' اور اس کے ساتھ وہ شاہانہ انداز میں چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔مس ڈی سلوا نے جواب کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی ایک اور سگریٹ سلگا لیا۔

''کیا بکواس ہے'' وہ بڑبڑائی ''وہ شخص مجھ سے شادی کرنے والا ہے۔اس نے بیس سال پہلے اس سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا وہ اس کے بعد دوبارہ کبھی نہ ملے تو پھر اس راز کا کسی چیز سے کیا تعلق ہے- وہ جان بوجھ کر مجھے غلط راہ پر لگا رہی ہے حسد کی وجہ سے''

بیالیس سالہ مس ڈی سلوا کبھی کبھی اپنی اور چیلم کی محبت کے معیار کو بہتر بنانے کی آرزو کرتی۔وہ اپنی جوانی کی بے آرام خالی برسوں کو خیرآباد کہنے اور سچی اور وفادار محبت والی گھریلو زندگی کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار تھیں۔مس پونیا کو اس کی ڈاکٹر چیلم کے

MashalBooks.com

ساتھ شادی کا خیال ڈرا رہا تھا۔ ان کی مقدس محبت کی بے حرمتی کے خوف نے اب شدت اختیار کر لی کیونکہ یہ خوف سکول کی ایک اہم کارصورت میں تھا۔ لیکن پونیا اپنی محبت کے مزار پر تمام عمر منت کی شمع جلائے رکھنے کے متعلق پرعزم تھیں۔

''مجھ سے محبت کی جاتی ہے'' مس پونیا بڑبڑائیں لیکن اس نوجوان کی تصویر جو ان سے شادی کا خواہش مند تھا کوالالمپور کے ایک ہوٹل کے کمرے والے ادھیڑ عمر شخص کی تصویر میں گڈمڈ ہو گئی، لہٰذا انگریزی زبان کی استانی نے اپنا فقرہ درست کیا اور افسردگی سے بڑبڑائیں ''مجھ سے محبت کی جاتی تھی'' انہوں نے وحشت سے اردگرد دیکھا انہیں صرف اپنی خواب گاہ کی چاروں دیواریں نظر آئیں اور یقین ہو گیا کہ ان کا راز محفوظ ہے۔

اگر انہوں نے اس وقت اپنے باپ کی مرضی کے خلاف اس سے شادی کرنے پر اصرار کیا ہوتا تو کیا ہوا ہوتا۔ اگر انہوں نے گھر سے بھاگ کر شادی کر لی ہوتی تو اب ......اس طرح کرنے کے خیال سے ہی مس پونیا کا سانس چڑھ گیا لیکن جب یہ خیال ایک مرتبہ ان کے ذہن میں بیٹھ گیا تو اس خیال نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور سینکڑوں مناظر میں منتظر ہو گیا۔ انہوں نے ہر منظر کو بڑھتے ہوئے تجسس کے ساتھ دیکھا! کیا ہوا ہوتا! ان کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکلی کیا ہوا ہوتا، اور کیا ہوا تھا۔ ان کا باپ بیمار تھا اور چاہتا تھا کہ صرف وہ اور کوئی نہیں اس کی عیادت کرے۔ ان کا اپنے باپ کے پاس جانا اور اسے روتے ہوئے بتانا کہ وہ اس نوجوان سے کتنی محبت کرتی ہیں اور شادی کرنا چاہتی ہیں، ایک حادثہ تھا مس پونیا کے باپ نے ان کی طرف دیکھا اور خاموش رہا، پھر انہوں نے دیکھا اس کی آنکھیں بھیگ گئی ہیں۔ وہ بھاگی بھاگی اس کے پاس گئیں اور چلائیں ''ابو ابو میں آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی میں وہی کروں گی جو آپ کہیں گے'' اور پھر بھی ان کے باپ کے آنسو تب تک بہتے رہے جب تک انہوں نے ڈاکٹر چیلم سے یہ کہنے کا وعدہ نہ لے لیا کہ وہ اس سے آئندہ نہیں ملیں گی۔ انہوں نے اگلے ہی دن اسے یہ بتا دیا اور وہ چلا گیا اور وہ بیس سال تک اسے کھونے کا سوگ مناتی رہیں ''تمہارا باپ بہت خودغرض ہے'' ڈاکٹر چیلم کے ان کی زندگی سے چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ بعد ایک شام جب وہ رات کے کھانے کے بعد خاموش بیٹھے تھے تو ان کی پھوپھو نے دھیمی آواز میں کہا

''اگرتمھاری ماں زندہ ہوتی تو اس نے کبھی اس طرح نہ ہونے دیا ہوتا'' ان کی پھوپھو نے اپنی بھتیجی کا ہاتھ پکڑے بات جاری رکھی جب کہ دونوں عورتوں نے آنسو بہائے جب کہ ساتھ والے کمرے میں بوڑھا سوتے میں پریشان ہوگیا اور کچھ بولا۔

''میرے باپ کو کچھ نہ کہیں'' مس پونیا نے اپنا ہاتھ اپنی پھوپھو کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے کہا اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

جیسے جیسے مس پونیا نے سکول کے ایک اور تھکا دینے والے ہفتے کی تیاری شروع کی، اداسی اور بیچارگی کے وہ دن پوری شدت کے ساتھ لوٹ آئے۔ مس ڈی سلوا اپنی شادی کی تیاریوں کے لئے چھٹی لے چکی تھیں۔ یہ مس پونیا کے لئے باعث اطمینان تھا وہ بات نہ ماننے والی لڑکی فونگ ین جس کا خیال تھا کہ کسی شخص کو اس کا راز چھپانے میں مدد دینے کے لئے اسے دوسرے لوگوں کے راز بتانے چاہئیں، مس ڈی سلوا کے عشق کے متعلق جاننے والی ہر بات مس پونیا کو بتا کر ابھی تک ان سے اپنے گزشتہ رویے کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''وہ اٹلی میں ہنی مون منا رہے ہیں'' اس نے مس پونیا کو راز میں شریک کرتے ہوئے بتایا اور مس ڈی سلوا کہتی ہیں کہ ان کا عروسی جوڑا تین ہزار ڈالر میں بنا ہے۔

کہتی ہیں کہ وہ کم از کم ایک بچہ ضرور پیدا کریں''

''فونگ ین'' مس پونیا نے پوری درشتی سے کہا ''میں تمھیں کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ گپیں مت ہانکا کرو اور اپنے کام سے کام رکھا کرو؟''

مس پونیا نے اپنے بیڈروم کی تنہائی میں خطوط کھنگالنے شروع کر دیئے انہیں وہ خط مل گیا جس کی انہیں تلاش تھی اور اس میں وہ جملہ بھی مل گیا جو وہ ڈھونڈ رہی تھیں ہاں اس نے بچوں کا حوالہ دیا تھا اس نے لکھا تھا کہ وہ ان سے شادی کرنا چاہتا ہے اور ان سے بہت سے بچوں کا باپ بننا چاہتا ہے۔ یہ جملہ پڑھتے ہوئے مس پونیا کو محسوس ہوا کہ جیسے ان کے چہرے اور گردن پر سرخی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اگر انہوں نے اس وقت ڈاکٹر چیلم سے شادی کر لی ہوتی تو اب تک ان کے کتنے بچے ہو چکے ہوتے؟ ان کے بہت سے بچوں کا باپ...... مس پونیا نے یہ سطر بار بار پڑھی اس سطر میں امید تھی اور برکت تھی اور خوشگوار زندگی کا وعدہ تھا۔

اور یہ سب خواب ان کے خود غرض باپ کی وجہ سے چکنا چور ہو گئے تھے۔

''اوہ میرے خدا'' اس خیال سے متحیر مس پونیا نے سوچا اور اپنے ہاتھ سے اپنے سر کو یوں تھام لیا جیسے وہ خیال فرار ہو گیا تھا اور ان کے کانوں میں کڑکنے کے لئے لوٹ آیا تھا انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کانوں پر سے ہٹائے اور بے بسی سے چاروں اوڑ دیکھا'' مجھے بے حواس نہیں ہونا چاہئے، یہ حد درجہ ضروری ہے کہ میں اپنے حواس میں رہوں''

لہٰذا جب مس پونیا گرامر کا سبق پڑھانے کے لئے جماعت میں گئیں تو وہ مکمل طور پر پرسکون تھیں۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی زردی کے علاوہ اس ذہنی کش مکش کے کوئی واضح آثار نہیں تھے جس سے وہ کچھ دیر پہلے گزری تھیں۔ چھٹیوں سے پہلے آخری ہفتہ ہونے کی وجہ سے لڑکیاں پڑھنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں لیکن مس پونیا نے انہیں اپنی تعلیم اور زندگی کو سنجیدگی سے لینے کا مشورہ دیا اور فعل احتمالی پڑھانا شروع کر دیا یہ ایسا موضوع نہیں تھا جو چھٹیوں سے ایک ہفتہ پہلے پندرہ سالہ لڑکیوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوسکتا ہے لیکن بہت جلد پڑھائی میں ذرا بھی دلچسپی رکھنے والی طالبات بھی اپنی توجہ مس پونیا پر مبذول کرنے پر مجبور ہو گئیں، آناً فاناً پوری جماعت میں دلچسپی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر کوئی مس پونیا کی طرف دیکھ رہا تھا جو فعل احتمالی پڑھاتے ہوئے بحث کر رہی تھیں ہنس رہی تھیں، رو رہی تھی۔

''تمہیں مزید مثالیں چاہئیں؟'' مس پونیا نے طالبات سے پوچھا حالانکہ انہوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا'' میں تمہیں بہت سی مثالیں دوں گی سنو اگر میں نے ان کے مشورے پر عمل کیا ہوتا تو میں زیادہ خوش و خرم ہوتی، اگر میں اتنی بیوقوف نہ ہوتی تو اتنی مصیبت زدہ نہ ہوتی، اگر وہ اتنا خود غرض بوڑھا نہ ہوتا تو......'' اگر میں نے گھر سے بھاگ کر شادی کر لی ہوتی تو اگر...... اگر مس پونیا کی آواز شدت اختیار کرتے ہوئے غم کے ساتھ اونچی ہوتی گئی۔ وحشت زدہ مس پونیا نے اپنی طالبات کو ہدایت کی کہ وہ فعل احتمالی کی مثالیں دہرائیں انہوں نے بے چینی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تاکہ آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھ سکیں کہ ان کی انگریزی کی استانی کو کیا ہو رہا ہے۔ ہچکچاہٹ کے ساتھ ان کے حکم پر تعمیل کی ایک ایک کر کے مس پونیا کی زندگی کے پچھتاووں کو دہراتی ہوئی آوازیں ان کے بڑھتے ہوئے غم میں کمی واقع کرنے میں ناکام رہیں۔ انہوں نے

چیخنا چلانا جاری رکھا ''اگران سے صرف ---'' ''اگر میں نے صرف ---'' اور یہ وہ لمحہ تھا جب خوف کا سحر ٹوٹا اور لڑکیاں اپنی اپنی جگہوں پر سے اٹھیں کچھ دوڑی دوڑی باہر گئیں تاکہ پرنسپل اور استانیوں کو بتا سکیں کہ مس پونیا عجیب وغریب حرکتیں کر رہی ہیں جب کہ باقی مس پونیا کے پاس گئیں اور انہیں کرسی پر بٹھا دیا۔ فونگ ین گرم مشروب لینے بھاگی بھاگی باہر گئی۔ جب پرنسپل اور وائس پرنسپل پہنچیں تو انہوں نے مس پونیا کو چپ چاپ کرسی پر بیٹھے کوئی مشروب پیتے ہوئے پایا۔ کچھ فکر مند طالبات ان کے پاس کھڑی تھیں۔

پرنسپل نے بے چینی سے تختہ سیاہ کی طرف دیکھا اور کہا ''اچھا تو آپ فعل احتمالی پڑھا رہی تھیں مس پونیا'' اور مس پونیا نے کمزور مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''جی ہاں میری پوری زندگی ہی فعل احتمالی رہی ہے۔''

''کیا آپ گھر جا کر آرام کرنا چاہیں گی؟'' وائس پرنسپل نے حلیمی سے دریافت کیا اور مس پونیا نے احسان مندانہ لہجے میں کہا ''جی ہاں بہت بہت شکریہ'' انہوں نے اپنی ساریں اور کتابیں سمیٹیں، اپنی آنکھیں پونچھیں اور جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔

MashalBooks.com

ایف سائیونل خوزے (فلپائن)

ایف سائیونل خوزے کا شمار ایشیا کی ممتاز ترین ادبی شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ وہ فلپائن کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ادیب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بیرون ملک ان کے قارئین کی تعداد اپنے ملک سے بھی زیادہ ہے۔ وہ 1924ء میں لوزون میں پیدا ہوئے۔ ان کی پہلی کہانی 1945ء میں ''فلپائن، امریکن'' میں شائع ہوئی اس سے پہلے انہوں نے طب کی تعلیم حاصل کی۔ وہ انگریزی میں لکھتے ہیں اور ''یک جہتی'' فلپائنی اور ایشیائی امور کے اہم جریدہ کے مدیر ہیں۔ خوزے کثیر التصانیف مصنف ہیں اور ان پر فلپائنی قومیت پسند شہید ریزال کا رنگ غالب ہے۔ ان کی تحریریں بھی اخلاقی نظم وضبط اور مستقل معاشرتی انصاف قائم کرنے کی جستجو کی عکاسی کرتی ہیں۔ خوزے اپنی بیگم کے ساتھ فلپائن کی سب سے مشہور کتابوں کی دکان چلاتے ہیں اور ار میٹا منیلا میں ہونے والے ادبی اجتماع کے رواح رواں ہیں۔ وہ بین الاقوامی تنظیم پی ای این کے فلپائن مرکز کے بانی بھی ہیں۔

MashalBooks.com

ترقّی

درجہ دوم کی سینئر کلرک مرینا سالکیٹو اپنی تنخواہ کے لفافے کی جانب لپکی جو اس کی میز پر پڑا تھا۔ وہ اپنی تنخواہ میں سے منہا کی جانے والی رقم کا حساب لگانا چاہتی تھی۔ آج پندرہ جولائی تھی، کل صبح اسے اپنی پانچ سال سے زیرالتوا ترقی کے کیس کی پیروی کرنے منیلا جانا تھا۔ اسے اس وزارت میں کام کرتے ہوئے بیس سال ہو چکے تھے پچھلے پانچ سال کے دوران مہنگائی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس ترقی کے بغیر اس کا سب سے چھوٹا بیٹا کالج میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ مرینا کو اپنے گھر اور سامان کے رہن کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ تین سال قبل اس کے شوہر کی بیماری کے باعث انہیں اپنا گھر اور سامان رہن رکھنا پڑا تھا۔ بینک انہیں رہن رکھی ہوئی اشیاء کو چھڑوانے کے حق سے محروم کرنے کے فیصلے سے مطلع کر چکا تھا۔ گھر اور سامان ان کی واحد جائیداد تھے اور اس کے لئے انہوں نے تقریباً بیس سال مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔

عمومی کٹوتیاں واضح تھیں مگر پھر بھی تیس پیسو کم تھے۔ پھر اسے وہ دس پیسو یاد آئے جو اس نے چند دن پہلے تنخواہ والے کلرک سے ادھار لئے تھے اور ہاں اس نے پچھلے مہینے وزیر آرکیڈیو گزمین کے دورے۔ جس کا اہتمام ان کے مقامی دفتر نے کیا تھا، کے لئے بھی تو پندرہ پیسو کا چندہ دیا تھا۔ وزیر صاحب اپنے ہمراہ ایک بڑا وفد جس میں زیادہ تر حفاظتی افسر تھے لائے تھے، جیسے ان کی زندگی شدید خطرے میں ہو۔

اب اس کے پاس کل دو سو ساٹھ پیسو بچے تھے۔ وہ بڑے کمرے کے انتہائی کونے کی طرف مڑی جو عمارت کا واحد ایئر کنڈیشنڈ دفتر تھا۔ وہاں موجود لڑکیاں خاموش تھیں اس کا مطلب تھا کہ چیف اندر ہے۔

MashalBooks.com

مرینا وزارت کے نیلے اور سفید یونیفام میں ملبوس چیف کے دفتر کے سامنے پہنچی۔ چیف کی سیکرٹری نے اسے سیدھا اندر جانے کے لئے کہا۔

چیف ایک فحش امریکی رسالہ پڑھ رہا تھا جس کے کنارے کثرت مطالعہ کی وجہ سے مڑ چکے تھے۔ اس نے رسالے کوایک طرف رکھنے کی زحمت بھی نہ کی۔ مرینا چیف کے سامنے کھڑی اس کے اشارے کی منتظر تھی۔ چیف کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی اور وہ گنجا ہو رہا تھا۔

''اچھا تو تم کل صبح جا رہی ہو مرینا'' اس نے اپنے آگے کو نکلے ہوئے دانت دکھاتے ہوئے کہا

''جی سر.................''

''میں تمہیں تیاری کے لئے آج سہ پہر چھٹی کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ تمہارے پاس منیلا میں صرف تین دن ہوں گے کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ کافی ہیں؟''

''سر میں تین دن کی توسیع چاہوں گی اگر یہ کافی نہیں ہے تو...........''

''کوئی مسئلہ نہیں مرینا'' چیف نے کہا ''اور ہاں یاد آیا کیا تم منیلا سے میرے لئے جدید ترین گیبرڈین کا کپڑا خریدتی لاؤ گی۔ میں تمہاری واپسی پر ادائیگی کروں گا''

''ضرور سر شکریہ.................''

مرینا نے سوچا کہ گیبرڈین کا کپڑا کم از کم ساٹھ پیسو کا ہو گا۔ پچھلی مرتبہ چیف نے اس سے جین کی پتلون منگوائی تھی۔ جو اسے ایک سو بیس پیسو میں پڑی۔ اس کی واپسی پر چیف نے پیسے دینے پر اصرار کیا مگر اس نے انکار کر دیا آخر کار چیف اسی سے خاص طور پر اچھے سب سے بڑھ کر اس نے کبھی دوسری خاتون کلرکوں کی طرح مرینا کی طرف جسمانی پیش رفت بھی نہیں کی تھی۔

صبح چھ بجے منیلا روانہ ہونے والی بس میں عموماً بہت رش ہوتا مگر اس دن مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی۔ مرینا بس میں دائیں طرف ایک خالی نشست پر بیٹھ گئی۔ سورج کی روشنی کے سیلاب میں دیہاتی علاقہ چاول کے تازہ لگے ہوئے پودوں سے زردی مائل سبز دکھائی دیتا تھا۔ ندی نالے پانی سے بھرے ہوئے تھے پوری وادی میں حتیٰ کہ جہاں پہاڑیاں سرسبز بھی تھیں افراتفری سی پھیلی ہوئی تھی۔ بس نو تعمیر شدہ سڑکوں اور پلوں پر سے ہنستی گاتی گزرتی جا رہی تھی۔ یہ ساری ترقی مارشل لاء دور میں ہوئی تھی اور

مرینا اس کی تعریف کرتی تھی۔ نئی سڑکوں اور پلوں نے منیلا جانا بہت آسان بنا دیا تھا جہاں پہلے پورا دن درکار تھا اب صرف دس گھنٹے لگتے تھے۔

شہر کی بے لطف زندگی کے اپنے فائدے تھے۔ مرینا اور اس کے خاوند نے بالآخر گھر بنا لیا ان کے تین بچے تھے جن میں ایک کی شادی ہو چکی تھی اور وہ امریکہ نقل مکانی کرنے والا تھا دوسرا کالج میں پڑھتا تھا اور اس کی تعلیم ختم ہونے والی تھی۔ سب سے چھوٹا ہائی سکول کے آخری سال میں تھا۔ مرینا اور اس کا خاوند تنخواہ دار تھے اور وہ خواہ کسی طرح بھی خرچا کرتی ان کی بچت ہر چیز کی بڑھی ہوئی قیمتوں کی نذر ہو جاتی، وہ تیل میں کھانا پکانا چھوڑ چکے تھے اور فارم سے آئی ہوئی جلانے والی لکڑیاں ہمیشہ خشک نہیں ہوتی تھیں۔

اس نے پانچ سال قبل ترقی کے لئے درخواست دی تھی اور اس سلسلے میں دو مرتبہ پہلے بھی منیلا جا چکی تھی۔ آخر کار اب اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ اس کی درخواست پر عمل درآمد ہو جائے گا۔

دوپہر سے کچھ دیر پہلے وہ کابانا تو آن پہنچے۔ وہ بس سے نیچے نہ اتری اس نے پلاسٹک کا لنچ بکس نکالا جو اس کی بیٹی نے تیار کیا تھا۔ تلا ہوا سور کا گوشت ابلے ہوئے انڈے اور چاول اسے خاصے لذیذ لگے۔ ریستوران میں جا کر بغیر کوئی چیز منگوائے اپنا کھانا جو وہ گھر سے ساتھ لائی تھی کھانا اسے اچھا محسوس نہ ہوا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد وہ پانی پینے کے لئے نیچے اتری۔

بس شام کے دھندلکے میں منیلا پہنچی۔ مرینا کو ہجوم میں اپنے دو تھیلے اٹھا کر ٹیکسی ڈھونڈنے میں خاصی دقت پیش آئی۔ وہ اپنی کزن کے گھر سے تین گلیاں پہلے ہی ٹیکسی سے اتر گئی اور باقی رستہ پیدل طے کیا۔ مرینا کی کزن کالج میں اس کے ساتھ ہی پڑھا کرتی تھی شاید اس مرتبہ پھر اسے ان کی بیٹھک میں رتن کے صوفے پر سونا پڑے۔ مگر یہ تیس پیسو خرچ کر کے کسی گھٹیا ہوٹل میں ٹھہرنے سے بہتر تھا۔

جب مرینا پہنچی تو وہ لوگ رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ ایک اچھے رشتہ دار کی طرح ان کے لئے کھانے کی بہت سی چیزیں ساتھ لے کر آئی تھی۔ اس کے بھانجے اور بھانجیوں کا کیسٹ ریکارڈر پوری آواز میں لگا ہوا تھا۔ مرینا کی کزن اور اس کا شوہر اسے دیکھ کر خوش نظر آتے تھے لیکن اپنی کزن کے اس سوال میں اسے ہلکا سا طنز محسوس ہوا ''تم واپس کب جاؤ گی۔

''میں یہاں ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ٹھہروں گی'' اس نے کہا'' اور میں زیادہ وقت باہر رہوں گی۔ میں کھانا بھی باہر ہی کھاؤں گی کیونکہ میرا زیادہ وقت کاغذات کے پیچھے بھاگ دوڑ کرنے میں وزارت کے دفاتر میں ہی گزرے گا۔

اگلے دن اس نے ان کے ساتھ ہی ناشتہ کیا وہ صبح چھ بجے ہی اٹھ گئی تھی۔ اس وقت بچے سکول جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ ان کے کیسٹ ریکارڈر نے اسے ساری رات جگائے رکھا۔ اس نے بہت ہی مختصر ناشتہ کیا کافی کے ایک کپ کے ساتھ نمکین ڈبل روٹی کا ٹکڑا کھایا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے مصروف دن گزارنا ہے اور یہ کھانا کافی ہے۔ مگر وہ اپنی کزن پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے ہی اس عمارت میں پہنچ گئی جہاں وزارت کے دفاتر تھے اور بغیر کوئی وقت ضائع کئے متعلقہ افراد کے پاس گئی۔ کسی بھی دفتر میں واقف کار کا ہونا بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ اسے اپنے ایک پرانے رفیق ٹوبیاس صاحب کا خیال آیا جو ایک زمانے میں سیکشن چیف تھے۔ خوش گپیوں میں مصروف کلرکوں میں اسے اپنا ایک بھی ایسا شناسا نظر نہ آیا جو اس کی مدد کر سکتا۔ ٹوبیاس صاحب بھی ریٹائر ہو چکے تھے۔

مرینا نے سوچا کہ اسے سیدھا وزیر کے پاس جانا چاہئے۔ اس نے وادی کے دورے کے موقع پر اسے کسی پریشانی کی صورت میں اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ اس نے یہ محض رسماً کہا تھا کہ اس کے علاوہ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا اور مرینا کو یقین تھا کہ اسے وہ باتیں یاد نہیں رہی ہوں گی جن کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ اسے یہ احساس بھی ہوا کہ اس کی ترقی کا مسئلہ معمولی نوعیت کا ہے جسے وزیر جیسے اہمیت کے حامل شخص کے سامنے پیش کرنا موزوں معلوم نہیں ہوتا۔

اس نے دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے ایک کلرک سے اس افسر کے متعلق پوچھا جو عملے کے ارکان کی ترقی کے معاملات نبٹاتا ہے۔ اسے دفتر کے دوسرے حصے کی طرف بھیج دیا گیا۔

وہ ایک افسر تیس بتیس سالہ کیم اور فربہ عورت تھی جس کے دانت گندے، بال ژولیدہ اور لبوں پر انتہائی شوخ رنگ کی لپ سٹک لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دراز سے ایک فہرست نکالی اور بڑی مستعدی سے اس کا مطالعہ کیا پھر کاغذوں کی کافی الٹ پلٹ کے بعد اس نے اپنے منحوس چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے مرینا کی طرف دیکھا'' مجھے افسوس

ہے مسز سالکیسٹو، مگر فہرست میں آپ کا نام نہیں ہے شاید فارم ادھر ادھر ہو گئے ہیں''

''لیکن ایسا نہیں ہوسکتا'' مرینا نے کہا اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی'' میرے پاس وہ خط موجود ہے جو آپ نے پچھلے مہینے بھیجا تھا'' اس نے تیزی سے اپنے دستی بیگ میں ہاتھ ڈالا اور خط باہر نکال لیا'' یہ دیکھئے.............اور فائل نمبر ہے............''

لیکن وہ عورت اپنی بات پر اڑی رہی اس نے اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی'' مسز سالکیسٹو'' اس نے شرمیلے لہجے میں کہا'' آپ کے کام کے لئے مجھے ڈھیروں فائلیں دیکھا پڑیں گی میں بہت مصروف ہوں مجھے یہ کام کسی اور کے ذمے لگانا پڑے گا'' اس نے مرینا کے پاس والا دراز کھولتے ہوئے کہا'' آپ اس دراز میں اس کے لئے بیس پیسو کیوں نہیں ڈال دیتیں......؟

ایک لمحے کے لئے مرینا سالکیسٹو کو دھچکا سا لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اسی کے ساتھ ہو رہا تھا جو خود اسی وزارت میں کام کرتی ہے پھر اسے یاد آیا کہ کس طرح اس کے دفتر میں انیتا بوٹو نگ بھی یہی کرتی ہے۔ یہ رواج اب اتنا عام ہو چکا تھا کہ اس سے چھٹکارا ناممکن تھا۔ اس نے اپنا دستی بیگ کھولا اور بیس پیسو کا نوٹ دراز میں ڈال دیا'' کیا اپنے کام کے لئے آج سہ پہر واپس آؤں؟''

''مسز سالکیسٹو'' عورت نے نرم لہجے میں کہا'' آپ جانتی ہیں یہ کتنا مشکل کام ہے آپ کل صبح کیوں نہیں آ جاتیں۔ آپ کی مدد کے لئے مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں کروں گی''۔

اس کے پاس کرنے کو اور کچھ نہیں تھا۔ تقریباً دس بج چکے تھے لہٰذا وہ ٹیکسی پر سوار ہو کر منیلا کے مرکزی بازار پہنچ گئی اور کپڑے کی دکانیں گھومنا شروع کر دیں۔ اس نے دکان داروں سے گیبرڈین اور اس کے سب سے عمدہ برانڈ کے متعلق دریافت کیا، وہ صبح خاصی مرطوب تھی ہزاروں بسوں اور ٹیکسیوں کے دھوئیں نے اس کے لئے سانس لینا مشکل کر دیا اور اسے سینے میں گھٹن محسوس ہونے لگی بالآخر اس نے ایک ڈیپارٹمنٹ سٹور سے جہاں اسے بھاؤ تاؤ نہ کروانا پڑا چونتیس پیسو میں گیبرڈین کا کپڑا خرید لیا۔ سٹور سے نکل کر وہ ایک اور بازار میں گئی اور اشیائے خوردونوش کی قیمتوں کا موازنہ کیا، یہاں قیمتیں اس کے شہر سے زیادہ تھیں۔

دوپہر کے وقت وہ بڑی سڑک پر واقع ایک گھٹیا ریستوران میں گئی۔ وہ جگہ

خاصی گندی تھی فرش پر کاغذ کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے اور میزوں پر روٹی کے بچے کچے ٹکڑے اور ہڈیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ گو کھانے کا ذائقہ صابن جیسا تھا لیکن صرف پانچ پیسو میں مرینا کا پیٹ بھر گیا۔

مرکزی بازار کے ہجوم میں واپس آکر اسے یاد آیا کہ اس کے بچوں نے اسے منیلا میں بیگ چھیننے کی وارداتوں سے خبردار کیا تھا۔ اس نے فوراً اپنے پلاسٹک کے دستی بیگ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس کے سٹریپ کو اپنے بازو کے گرد لپیٹ لیا۔ وہ اتنی جلدی اپنی کزن کے اپارٹمنٹ واپس جا کر اس کے لئے پریشانی کا باعث اور اپنے بھانجے اور بھانجیوں کے طنز کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی، اس کی بجائے مرینا نے منیلا کے مشہور بازار دیکھنے کا فیصلہ کیا، وہ کافی عرصے سے منیلا نہیں آئی تھی ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے ہجوم لوگوں کے پسینے میں تر چہرے گلیوں سے آنے والی بدبو اور چھوٹے چھوٹے کواٹروں والی عمارتیں۔ وادی میں اس کی زندگی کتنی مختلف تھی۔

مکاتی جانے والی ایک ایئر کنڈیشنڈ بس اس کے قریب آکر رکی اس نے اس نئی بس کے متعلق پڑھ رکھا تھا وہ اس میں سوار ہوگئی۔ مکاتی واقعی بدل گیا تھا بلند و بالا عمارتیں اور کشادہ سڑکیں۔ منیلا پہلے کی نسبت کافی صاف ستھرا ہو گیا تھا اور مکاتی کی صفائی کے تو کیا کہنے یہ امریکہ جیسا ہے''۔ وزارت کے ایک اسسٹنٹ سیکرٹری نے ایک مرتبہ شہری ترقی کے مسائل پر لیکچر دیتے ہوئے کہا تھا۔ یہاں بے پناہ دولت تھی۔ مرینا نے سوچا کہ ان میں سے کون سی عمارت وزیر آرکیڈ یو گزمین کی ملکیت ہے۔ کیونکہ افواہ تھی کہ وہ ایک پلازہ کا مالک ہے۔ اہل اقتدار میں سے کوئی اتنی جلدی کسی عمارت کا مالک کس طرح بن سکتا تھا۔ اس سوال کا جواب یہ تھا کہ وزیر آرکیڈ یو گزمین بہت کفایت شعار ہیں وہ ذاتی گاڑی یا ٹیکسی میں سفر کرنے کی بجائے بس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر امریکہ ایسا ہے تو اس کا بڑا بیٹا یقیناً اچھی زندگی گزارے گا اور بالآخر امریکی شہری بننے کے بعد اسے اور اس کے خاوند کو بھی بلا لے گا تا کہ وہ بھی اس خوابوں کی نگری کے مزے لوٹ سکیں۔ مگر مستقبل تو یہاں تھا مکاتی میں اگر مستقبل یہیں ہے تو کیا ترک وطن ضروری ہے؟

اگلی صبح اس عورت نے جس نے بالآخر اس کے کاغذات ڈھونڈ لیے اسے ایک اور دھچکا لگایا۔ ایک فارم کم تھا یہ فارم آئی 12 انتظامی شعبے سے ملتا تھا اسے فارم پر کر کے اس کی تصدیق کروانی تھی اور واپس انتظامی شعبے میں جمع کروانا تھا۔ یہ شعبہ پانچویں منزل

MashalBooks.com

پر تھا اور لفٹ کام نہیں کر رہی تھی۔ لہٰذا اسے سیڑھیوں کے راستے جانا پڑا، جہاں سگریٹ کے ٹکڑے اور گندگی پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگے ہوئے پوسٹر نئے معاشرے کے نصب العین نظم وضبط کی ضرورت اور زیادہ پیداوار کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے تھے۔

فارم آئی 12 دینے والا شخص خاصا فکر مند تھا ''محترمہ آپ کل سہ پہر کو تشریف لائیں ہمارے پاس فارم ختم ہو گئے ہیں اور ہم نئے فارم تیار کر رہے ہیں۔''

''مگر میں صرف اسی کام کے لئے منیلا آئی ہوں اس نے احتجاج کرنا شروع کیا پھر رک گئی۔ اس نے فوراً اندازہ لگا لیا............ وہی پرانا حربہ اس شخص کے میز کا اوپر والا دراز کھلا ہوا تھا اس نے اپنے دستی بیگ کے اندر دیکھا۔ اس کے پاس سب سے چھوٹا نوٹ پانچ پیسو کا تھا اس نے خود کو نصیحت کی کہ اس کے پاس دو پیسو کے نوٹ بھی ہونے چاہئیں اس نے پانچ پیسو کا ایک نوٹ نکال کر دراز میں ڈال دیا۔

''مہربانی کیجئے مجھے واقعی بہت جلدی ہے۔'' اس نے کہا ''ایک فارم ڈھونڈنے کی کوشش کریں ادھر ہی کہیں پڑا ہوگا۔''

اس شخص نے مسکراتے ہوئے دراز بند کیا اور میز کے پیچھے ایک زنگ آلودہ الماری کی طرف گیا اسے فارم تلاش کرنے میں ایک منٹ بھی نہ لگا۔

مرینا نے فارم کا مطالعہ کیا جو ایک شناختی سوالنامہ تھا۔ شاید خفیہ ایجنسیوں کے کچھ لوگ دوبارہ سرکاری ملازمین کی سابقہ وابستگیوں کی جانچ پڑتال کر رہے تھے حالانکہ ہر دفتر میں پہلے ہی ایک خفیہ ایجنٹ یا مخبران کے نئے ٹائپسٹ کی طرح موجود تھا۔

اس نے جلدی جلدی فارم پر کیا۔ بیرون ملک سفر کے خانے کو دیکھ کر وہ اپنی ہنسی روکے بغیر نہ رہ سکی۔ کتنے سرکاری کلرک اپنی پوری زندگی میں بیرون ملک گئے ہوں گے؟ وہ تو کبھی فلپائن کے جزیروں پر بھی نہیں گئی تھی وہ لوگ شاید اس فارم میں مہیا کردہ معلومات کو کمپیوٹر میں محفوظ کرلیں گے اور خدا جانے اس کے بعد کیا ہوگا۔

اپنے تعلیمی کوائف ملازمت شروع کرنے کی تاریخ اور اس قسم کی دوسری دستاویزات پر نظر دوڑاتے ہوئے مرینا نے اس حقیقت پر غور کیا کہ اس نے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کبھی کسی بڑے عہدے کی خواہش نہیں کی تھی، حالانکہ خواتین نہ صرف بیورو ڈائریکٹرز بلکہ نائب وزیر تک کے عہدوں پر فائز تھیں۔ وہ اپنی حالت پر افسوس کرنے والوں میں سے نہیں تھی وہ اور اس کا خاوند اپنی حدود سے آگاہ تھے اور یہ بھی جانتے

MashalBooks.com

تھے کہ اپنی حالت سنوارنے کے لئے انہیں کیا کیا قربانیاں دینی پڑیں گی۔ان کے لئے یہی کافی تھا کہ ان کے پاس اپنا گھر تھا اور وہ پرسکون نیند سو تکتے تھے انہیں ایسے ڈراؤنے خواب بھی تنگ نہیں کرتے تھے جنہیں وہ غلط کاریاں جنم دیتی ہیں جو انہیں اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے کرنی پڑتیں۔

وہ انتظامی شعبے کے چیف کے پاس گئی اسے پوری طرح یقین نہیں تھا کہ اس نے فارم صحیح طرح پر کیا ہے مگر اسے اس کی کیا پرواہ تھی۔ فارم میں کوئی غلطی پکڑنے میں انہویں کچھ وقت لگتا اور اس کے پاس جواب تیار تھا وہ اپنی ترقی کے سلسلے میں دو دن سے ماری ماری پھر رہی تھی اور اسے اب تک ایک بھی تصدیق شدہ تحریر نہیں ملی تھی۔ خوش قسمتی سے انتظامی شعبے کا چیف برموز اپنے دفتر میں موجود تھا۔ وہ تقریباً آٹھ سال پہلے ایک سیمینار میں مل چکے تھے اور مرینا کو اس کا گنجا سر طوطے جیسی ناک اور پتلے ہونٹ بڑی اچھی طرح یاد تھے۔ چیف برموز ایک ایماندار انتظامی ماہر کی حیثیت سے مشہور تھا اور اب مرینا کو اس بات کی صداقت کا پتا چلانا تھا۔

اس کی باری آ گئی اور وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر چیف برموز کی میز کے قریب گئی اس کی میز کے پیچھے صدر اور اس کی بیگم کی مخصوص تصویر آویزاں تھی۔

''جی آپ کا کیا مسئلہ ہے؟''

''میری ترقی سر'' مرینا نے کہا ''یہ پانچ سال سے زیر التوا ہے'' مرینا نے کاغذات اس کے سامنے رکھ دیے چیف برموز نے تجربہ کار نظروں سے اس کے فارم کا معائنہ کیا۔

''مسز ساکلیڈ و'' یہاں تو سب کچھ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔آپ کو طریقہ کار معلوم ہے میری تصدیق کے بعد آپ کو شعبہ مالیات میں جا کر یہ پتا کرنا ہو گا کہ آیا فنڈز دستیاب ہیں؟ پھر اگر فنڈز موجود ہوئے تو وزیر اس فارم پر دستخط کر دے گا اور آپ کی تنخواہ میں سال کے پہلے مہینے سے سو پیسو کا اضافہ ہو جائے گا'' وہ دوبارہ فارم کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے دوسرے صفحے پر عجلت سے کچھ لکھا ''میں جانتا ہوں آپ بہت عرصے سے ملازمت کر رہی ہیں اور مجھے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ افسر شاہی کو ایک انچ بھی ہلانے کے لئے ہمیں ان کے ساتھ صبر و تحمل کے ساتھ پیش آنا چاہئے''

اب وہ کمرے میں اکیلے تھے''کیا یہ کافی ہے سر؟''

MashalBooks.com

کیوں کیا کچھ اور بھی ہے جو میں بھول گیا ہوں‘‘

اپنی بدحواسی میں مرینا اس کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئی۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ چیف برمودز اچھا آدمی ہے اور سوچا کہ اگر وہ اسے تحفے میں گیبرڈین کا تھوڑا سا کپڑا دے تو وہ کیا محسوس کرے گا آخر کار اسی نے اس کی تنخواہ میں سال کے پہلے مہینے سے اضافے کے احکامات جاری کئے تھے۔

مرینا نے دوپہر کا کھانا وزارت کی کینٹین میں کھایا۔ ایک بجے وہ شعبہ مالیات میں موجود تھی۔ بہت سی لڑکیاں میزوں پر جڑ کر بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ باقی اخبار پڑھ رہی تھیں یا صرف خلا میں گھور رہی تھیں۔ یہ بہت ہی جانا پہچانا منظر تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ واپس اپنے دفتر میں آ گئی ہے۔ چیف کے دفتر سے اسے معلوم ہوا کہ وہ واپس نہیں آ رہا وہ وزیر کے ساتھ بجٹ پر ہونے والی ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے باتاسانگ گیا ہوا تھا۔

اسے ٹھہرنے میں کوئی عقل مندی نظر نہ آئی اس نے فلم دیکھنے کا فیصلہ کیا وہ پانچ سال سے کسی ایئر کنڈیشنڈ سینما میں نہیں گئی تھی۔

اگلی صبح آٹھ بجے سے پہلے ہی مرینا شعبہ مالیات میں موجود تھی اس نے محسوس کیا کہ اس شعبے میں بہت سی خوبصورت لڑکیاں ملازم ہیں جو بظاہر کچھ بھی نہیں کرتیں۔ ساڑھے آٹھ بجے جو لیولو بوآ گیا وہ بادامی رنگ کے گیبرڈین سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کا شمار وزارت کے بااثر ترین افراد میں ہوتا تھا۔ مرینا نے شیشے کی کھڑکی سے دیکھا کہ وہ اپنی میز پر بیٹھ چکا ہے اور وہ اندر چلی گئی۔

چیف لوبو فائلیں دیکھ رہا تھا اور ایک چھوٹے کیلکولیٹر پر حساب کتاب کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے مرینا کو دیکھا اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں اور اس کے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ’’جی‘‘؟

مرینا نے کم سے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا مگر وہ یہ بتانا نہ بھولی کہ وہ صرف اس کام کے لئے چھٹی لے کر منیلا آئی ہے۔

’’آپ اپنے کاغذات چھوڑ جائیں‘‘ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ ’’میں ذرا جلدی میں ہوں۔ آج باتاسانگ میں میٹنگ ہے اور میں پورا دن واپس نہیں آؤں گا۔ آپ شام کو پانچ بجے دوبارہ آ کر مجھ سے مل سکتی ہیں ....‘‘ اس نے دومرتبہ

سر کو جنبش دی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ جا سکتی ہے۔

مرینا کے پاس پورا دن فارغ تھا، جو فلم اس نے گزشتہ روز دیکھی تھی وہ زیادہ اچھی نہ تھی اور اسے کسی ایسی تفریح کی ضرورت تھی جو اسے ذہنی سکون بخشتی۔ بہر حال وہ اپنے کچھ دوسرے ساتھی ملازمین سے بہت خوش قسمت تھی جو ایک ہفتے تک انتظامی شعبے سے اپنے کاغذات کی تصدیق بھی نہ کروا سکے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری وزارتوں میں اس سے بھی برا حال ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اس کی جان پہچان والی ایک استانی کو صرف اپنا تبادلہ کروانے کے لئے ایک ہزار پیسو دینے پڑے تھے۔

ابھی وہ عمارت کے داخلی دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اس نے وزارت منصوبہ بندی و تعلیم، جہاں اس کے کچھ دوست ملازم تھے، جانے کی بجائے عمارت میں ہی ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔

تین بجے مرینا چیف لوبو کے دفتر سے ملحقہ انتظار گاہ میں جا بیٹھی۔ اس کے اپنے دفتر کے پرانی وضع کے ٹائپ رائٹروں کے برعکس اس شعبے کے تمام ٹائپ رائٹر نئے تھے۔ تمام لڑکیاں یونیفارم میں بھی خاصی سجی لگ رہی تھیں۔ انہوں نے اونچی ایڑی والے چمڑے کے جوتے پہنے ہوئے تھے اور اس طرح میک اپ کیا ہوا تھا جیسے کسی دعوت میں جانے کے لئے تیار ہوئی ہوں۔ گزشتہ روز اس نے اپنی بیٹی، جو ناول پڑھنا پسند کرتی تھی، کے لئے ایک سستی کتاب خریدی تھی۔ مرینا نے ناول کے ابتدائی صفحات پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کی توجہ قائم نہ رہ سکی۔ لڑکیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو، جو اس ڈسکو کے متعلق تھی جہاں وہ شام کو جا رہی تھیں، میں بھی اسے کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔

پونے پانچ بجے چیف لوبو واپس آ گیا۔ اس کا قیمتی چرمی بریف کیس کاغذات سے پھولا ہوا تھا۔ تین لڑکیاں مزید کاغذات لے کر اندر گئیں اور ایک چوتھی اس کے لئے بوتل اور چند بسکٹ لے کر آئی۔ جب وہ چلی گئیں تو مرینا اس کے دفتر میں گئی اسے وہ یاد تھی۔ ''جی مسز سالکیڈو...... آپ کے کاغذات ابھی تک یہیں ہیں لیکن میں ان پر کل کام کروں گا کیا آپ جانتی ہیں کہ میں ہفتے کو چھٹی نہیں کرتا؟''

''نہیں سر''۔

''ہاں میں ہفتے کو بھی کام کرتا ہوں'' اس نے اپنے نکوٹین زدہ زرد دانت دکھاتے ہوئے کہا۔ ''چنانچہ میں شاید کل دوپہر کو یہ کام ختم کر لوں۔'' اس نے میز پر پڑے

ہوئے کیلنڈر اور پھر دوبارہ اس کے کاغذات کی طرف دیکھا۔ ''رینج 53 ....سو پیسو ماہوار یعنی بارہ سو پیسو سالانہ پھر تو آپ مجھے چالیس پیسو کا ڈنر کروانا برداشت کرسکتی ہیں۔''

''جی سر، ضرور'' مرینا بولی۔

''اچھا تو میرا پسندیدہ ریستوران اریتا ہے۔ اسے ڈھونڈنا آسان ہے۔ میں اتوار کی شام کو سات بجے وہاں ہوگا۔ آپ آئیں گی نا؟ میں آپ کے کاغذات مکمل کر کے ان پر عمل درآمد کروادوں گا، مجھے ان میں کوئی مسئلہ نظر نہیں آتا۔''

''بہت بہت شکریہ سر'' مرینا نے کہا۔ چالیس پیسو اگر وہ خود نہ کھائے تو یہ خرچا برداشت کرسکتی تھی۔ اگر وہ اسی پیسو بھی خرچ دیئے پھر بھی بس کے کرائے کے لئے اس کے پاس کافی پیسے بچ جاتے ہیں۔ اگر زیادہ مشکل ہوئی تو وہ اپنی تنخواہ منیلا میں بھی لے سکتی ہے گو اس کے لئے تھوڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی۔

ہفتے اور اتوار کی پوری صبح مرینا سالکیڈو اپنی کزن کے اپارٹمنٹ میں ہی رہی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے دروازے سے ایک قدم بھی باہر نکالا تو وہ کوئی غیر ضروری خرچا کر دے گی۔ اس نے چاولوں کے کیک بنائے، باورچی خانے کا پچھلا حصہ صاف کیا جہاں وہ دھلے ہوئے کپڑے ٹانگتے تھے۔ پھر اس نے بیٹھک کی صفائی کی حتیٰ کہ اس کے سیمنٹ کی اینٹوں پر جمی ہوئی ساری مٹی اتر گئی۔ اس کے بعد مرینا نے پالش سے سارا فرش چمکا دیا۔ اس نے داغدار دیواریں بھی صابن سے صاف کیں۔ اس شام کو جب گھر والے لوٹے تو سارا گھر صاف صاف لگتا تھا اور اس کی کزن شرمندہ بھی تھی اور خوش بھی کہ اس نے اتنی محنت کی ہے۔ اتوار کی صبح اس نے دھلائی اور استری کی مدد کی اور سہ پہر دو بجے جاپانی ریستوران ڈھونڈنے اریتا گئی۔

اسے ڈھونڈنا مشکل نہیں تھا۔ ڈھائی بجے وہ خالی ہونا شروع ہو گیا مگر پھر بھی چند غیر ملکی اندر موجود تھے۔ ان میں سے بیشتر جاپانی اور چند یورپی تھے۔ اسے وہ ریستوران زیادہ پسند آیا۔ وہ جانتی تھی کہ ایئر کنڈیشنڈ ریستوران مہنگے ہوتے ہیں اور اسے یہ خیال بھی آیا کہ اسے کتنی ٹپ دینی پڑے گی۔ اسے چیف لوبو سے کھل کر بات کرنی چاہیئے، اسے بتانا چاہیئے کہ اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے اور اس کی صحیح دعوت تنخواہ میں اضافے کے بعد ہی ممکن ہے۔

ریستوران سے پہلے وہ لوینٹا گئی اور پھر منیلا ہوٹل جہاں 1955ء میں اس کے کالج کی الوداعی تقریب منعقد ہوئی تھی۔ اس جگہ سے مرینا کی حسین یادیں وابستہ تھیں۔ اس نے اپنے بوائے فرینڈ، جو بعد میں اس کا شریک حیات بنا، کے ساتھ رقص کیا تھا۔ تقریب ختم ہونے کے بعد ان دونوں نے وہ رات ایک موٹل میں گزاری تھی۔

اس نے حیرت واستجاب سے پرہجوم لابی، پختہ لکڑی کی نفیس اندرونی چھت اور سنگ مرمر کے چمکدار فرش کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے پہلے اتنی عالیشان جگہ پرنہیں آئی تھی۔ یہ ہوٹل ''نئے معاشرے'' کے زیر اثر ہونے والی ترقی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس نے کافی شاپ اوراس کی خوبصورت میز بان کی طرف دیکھا لیکن وہ ایک کپ کی متحمل بھی نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا وہ واپس لان میں گئی اور وہاں بیٹھ کر ایئر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہونے لگی۔

پانچ بجے وہ پارک میں گئی اور سمفونی کنسرٹ سنی، براہ راست سمفونی آرکسٹرا سننے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ ساڑھے چھ بجے وہ واپس جاپانی ریستوران کی طرف چل پڑی۔

چیف لوبو وہاں موجود تھا۔ اس نے نیلی جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی جس سے اس کی توند باہر ابل رہی تھی۔ اس کے چھدرے بال تیل سے چپڑے ہوئے تھے۔ اس سے قیمتی کولون کی خوشبو آرہی تھی لیکن جب اس نے اپنا بازو اوپر کیا تو پسینے اوران دھلے جسم کی بدبو نے مرینا پر چڑھائی کردی۔ وہ اسے ایک میز پر لے گیا۔ ان کے سامنے ایک لمبی شیلف میں مچھلی بینگن کے پودے اور جھینگے پڑے ہوئے تھے اور شیلف سے پرے جاپانی لباس میں ملبوس فلپائنی باورچی بینگن کے پودے، گوشت کے ٹکڑے اور مرغی کے پر بھون رہے تھے۔ ہر طرف سویا پھلی چٹنی اور پکانے کے تیل کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ کھانے کے شیلفوں کے اوپر لگے ہوئے فانوس کی سرخ روشنی میں چیف لوبو کا چہرہ قدرے منحوس دکھائی دیتا تھا۔

مرینا سالکیڈو کو یہ کہنے میں خاصی دشواری ہوئی۔ ''سر آپ جانتے ہیں کہ میں ایک غریب کلرک ہوں۔ میرے پاس صرف سو پیسو ہیں۔''

چیف لوبو نے اپنا ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا اوراسے دبایا۔ ''میری جان'' وہ بولا۔ ''ہم اتنے پیسے نہیں خرچیں گے۔ میں صرف چائے پیئوں گا اور مچھلی کھاؤں گا۔ زیادہ

کھانا میرے لئے مفید نہیں ہے لیکن کسی اور چیز کی زیادتی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے بعد ہم کسی موٹل میں چلیں گے اس پر چالیس پیسو سے زیادہ نہیں لگیں گے............''

مرینا نے جو کچھ سنا تھا وہ اس پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر اسے یاد آیا......

مشہور تھا کہ شعبہ مالیات کا چیف عورتوں کا رسیا ہے اور اکثر اسی صورت میں رشوت وصول کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا، ایسا نہیں ہوسکتا، میرا انکار ضروری ہے، اس نے خود سے کہا، بے چینی سے اس کا دل گھٹ رہا تھا۔ اس نے اپنے لئے پھلیوں کی کونپلیں منگوائیں جو مینو میں سب سے سستی چیز تھی۔ وہاں کانٹا اور چمچ نہیں تھا، لہٰذا چیف لوبو نے اسے چوپ سٹکز کو استعمال کرنے کا طریقہ سکھانے کی کوشش کی۔

''سر میرے تین بچے ہیں'' مرینا قریب قریب رو دی۔ ''میرا سب سے بڑا بچہ شادی شدہ ہے اور میرا ایک پوتا بھی ہے۔''

''یہ تو حیرت انگیز ہے! لیکن تم اتنی عمر کی نہیں لگتیں۔'' اس نے بھوکی نظروں سے مرینا کی چھاتیوں کی طرف دیکھا اور مرینا نے اپنا خون چہرے کی طرف دوڑتا ہوا محسوس کیا ''اور تمہارا جسم بھی بھرا بھرا ہے۔ میں دیکھوں گا کہ تین بچوں کے بعد یہ پلپلا تو نہیں ہو گیا۔''

''لیکن سر اپنے دفتر میں اتنی بہت سی خوبصورت لڑکیاں ہونے کے باوجود بھی......''

''اچھا! تو تم نے محسوس کر لیا'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''لیکن ان میں پختگی اور ہنرمندی کی کمی ہے انہیں سکھانا پڑتا ہے۔ میں تمام وقت استاد نہیں بنا رہنا چاہتا۔ جیسے میں ہمیشہ کہتا ہوں، خوبصورت اور پختہ عورت کا کوئی مقابلہ نہیں اور وہ تم ہو......'' چیف لوبو کا ہاتھ سرک کر اس کی ران کے اوپر والے حصے تک پہنچ چکا تھا۔

''میں پینتالیس سال کی ہوں۔''

''مگر تم پینتیس کی بھی نہیں لگتیں!''

وہ فرمانبرداری سے چیف لوبو کی گاڑی میں بیٹھ گئی جو ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ ''صرف ایک گھنٹہ لگے گا'' وہ گاڑی چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''لیکن اگر تم لطف اٹھاؤ تو ہم وقت بڑھا کر دو گھنٹے بھی کر سکتے ہیں۔''

مرینا کا گلا خشک ہو چکا تھا۔ وہ انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا مستقبل داؤ پر تھا۔

MashalBooks.com

''سر میں یہ نہیں کرسکتی'' اس نے آخری حربہ استعمال کیا۔ وہ اس کی طرف مڑا اور دانت نکالتے ہوئے بولا: ''مرینا، میں بھی زیادہ نفاست پسند نہیں ہوں۔''

موٹل میں اس کے ساتھ اکیلے مرینا نے آخری بار اس کی منت سماجت کی۔ ''سر، خدا کے واسطے میں اپنی تنخواہ میں سے آدھی آپ کو دے دوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں!''

چیف لوبو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''بے وقوف لڑکی'' وہ غرایا۔ ''مجھے پیسے کی نہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے'' اور اس نے اپنی بیلٹ کھولنی شروع کر دی۔

جب مرینا نے کوئی حرکت نہ کی تو اس نے غصے سے کہا ''اپنے کپڑے اتار دو ورنہ میں انہیں پھاڑ دوں گا۔''

''میرا خاوند، میرے بچے'' مرینا نے فریاد کی لیکن چیف لوبو پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

مرینا رات نو بجے واپس اپارٹمنٹ پہنچی۔ چیف لوبو نے اسے منیلا کے مرکزی بازار کی نکڑ پر اتارا باقی راستہ اس نے پیدل طے کیا۔ اس نے خود کو گندا، بے آبرو اور گھناؤنا محسوس کرتے ہوئے ایک طویل غسل کیا۔ چیف لوبو کے گندے ہاتھوں کے لمس، بدبودار سانس اور چکنے چہرے کے تصور نے اسے بیمار کر دیا۔ اسے حیرت کے وہ چیف لوبو سے صبح دوبارہ ملتے ہوئے کیا محسوس کرے گی۔ وہ وعدے کے مطابق اس کے کاغذات بھی نہیں لایا تھا۔

وہ رات اس نے آنکھوں میں کاٹی اور جب صبح ہوئی تو مرینا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسے قے آ رہی تھی۔ مگر یہ کام کرنا بھی ضروری تھا اور رات کے سانحے کے بعد اب کوئی ایسی دشواری نہیں ہو سکتی تھی جس کا وہ سامنا نہ کر سکتی۔

جب وہ اندر داخل ہوئی تو چیف لوبو نے اسے دیکھ کر پلکیں جھپکائیں۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی شہوانی مسکراہٹ کی طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ''آؤ وزیر کے پاس چلیں۔ اس کا دفتر دوسری منزل پر ہے،'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا وہ اپنے مرینا کی فائل بھی لایا تھا۔

وزیر کا دفتر بہت کشادہ تھا، اس میں قالین بچھے ہوئے تھے، دیواریں نیلے وال پیپر اور چند پینٹنگز سے ڈھکی ہوئی تھیں اور اس کی میز کے پیچھے صدر اور اس کی بیگم کی رنگین

تصویر آویزاں تھی۔ کمرے کے دوسرے کونے میں آرام دہ صوفے پڑے ہوئے تھے۔ قریب ہی زیبائش پودے تھے اور چائے کی میز پر رکھے ہوئے بلوریں گل دان میں گل داؤدی کے پھول موجود تھے۔

وزیر آرکیڈیوگز مین ان کاغذات پر دستخط کر رہا تھا جو دو سیکرٹریوں نے اس کے سامنے کھولے ہوئے تھے۔ اس نے بھی ہلکے کتھئی رنگ کا گیبرڈین سوٹ پہن رکھا تھا۔ قریبی معائنے پر مرینا کو احساس ہوا کہ وہ زیادہ نفیس کپڑے کا ہے۔

جب وہ فارغ ہو گیا تو چیف لوبو مرینا کے کاغذات لے کر اس کے پاس گیا۔ وزیر نے مرینا کی طرف دیکھا اور فوراً پہچان لیا۔ پھر اس نے کاغذات پر نام دیکھا۔ ''آخاہ، مسز سالکیڈو۔ ہاں، آپ نے پروگرام میں قومی ترانہ گایا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ مجھے آپ کے کاغذات پر دستخط کر کے بہت خوشی ہوگی۔'' پھر اس نے چیف لوبو سے پوچھا، ''کیا فنڈز موجود ہیں؟''

''جی سر'' لوبو بولا۔

کاغذات پر دستخط کرنے کے بعد وہ دوبارہ مرینا سے مخاطب ہوا، ''مسز سالکیڈو، آپ کی طرف کیا حالات ہیں؟ آپ کے مسائل کیا ہیں؟ آپ کے علاقے سے شاذ و نادر ہی کوئی میرے پاس آتا ہے اور آپ کا علاقہ نئے معاشرے کے پروگرام میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے آپ لوگوں کا کام کیسا جا رہا ہے''؟

مرینا سوچ میں پڑ گئی۔ کیا وزیر سنجیدہ ہے؟ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنی صبح نشے میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ ''سر جہاں تک میرے علم میں ہے ہمارا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''کھل کر بات کرو'' وزیر نے اسے بلا جھجک بات کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا۔''

صاف گو بنو۔ صرف سچ ہی ہمیں نتائج حاصل کرنے کے قابل بنائے گا۔ ہم ہوائی قلعے نہیں بنانا چاہئے۔ مجھے حقائق چاہئیں۔

''ہمارے علاقے میں حالات بالکل ٹھیک ہیں سر'' اس نے اپنی بات دہرائی۔

''اچھا تو پھر ٹھیک ہے'' وزیر نے مترنم آواز میں کہا۔ ''مگر آپ لوگوں کو محنت کرنی چاہئے۔ آپ سب کو۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہم یہاں لوگوں کی خدمت کرنے کے لئے موجود ہیں، ہم ایک نیا معاشرہ تشکیل دے رہے ہیں۔ افسر شاہی کے پاس اپنی

اہلیت ثابت کرنے اور ایک ترقی پسند قوم بنانے کا یہ نادر موقع ہے۔''

یہ نصیحت صرف اس کے لئے نہیں بلکہ کمرے میں موجود باقی افراد کے لئے بھی تھی۔ ''بالکل سر''۔

''ہم سب کو مل کر کام کرنا چاہئے۔ تعاون ہی اصل چیز ہے، اور جدت بھی۔ ترقی اچھی چیز ہے مگر ہمیں خود کو اس کے قابل بنانا چاہئے اور یہ صرف عوام کی خدمت کی صورت میں ممکن ہے۔............''

بس کا کرایہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس صرف دو پیسو بچے۔ مرینا سینڈوچ بنا کر لائی تھی جو گھر تک اس کی ضرورت کیلئے کافی تھے۔ یہ جولائی کا روشن دن تھا۔ بارشوں کا موسم گزر چکا تھا اور سارے راستے موسم ایسا ہی رہا۔

جب وہ بس سے اتری تو چھ سے اوپر کا وقت تھا اور پہلے ہی اندھیرا چھا چکا تھا۔ اس نے ٹیکسی کا کرایہ بچانے کا فیصلہ کیا اور پیدل ہی چل پڑی۔ بہرحال اس کے پاس اٹھانے کے لئے زیادہ سامان نہیں تھا۔ صرف اپنا دستی بیگ اور کینوس بیگ جس میں اس کے کپڑے چیف کے لئے گیبرڈین کا کپڑا، اپنی بیٹی کے لئے ناول اور دو سیب تھے۔

بس کے اڈے کے فوراً بعد ہی گھروں کی تعداد کم ہونا شروع ہوگئی۔ وہ قصبے کے نواح میں رہتے تھے، جہاں وہ سبزیاں اگاتے اور مرغیاں پال سکتے۔ اب کچی سڑک شروع ہوگئی۔ یہاں روشنی نہیں تھی اور مکانوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ یک دم ایک آدمی اندھیرے سے نمودار ہوا اور اس کے بیگ پر جھپٹا۔ گو اسے دھچکا لگا اور وہ خوف زدہ ہوگئی، اس نے بیگ کو مضبوطی سے تھامے رکھا لیکن اس شخص میں بہت طاقت تھی، اس نے دھکا دے کر مرینا کو پرے پھینک دیا اور بیگ چھین لیا۔ مرینا چلائی، ''اس میں کوئی پیسہ نہیں ہے۔ صرف میرے کاغذات ہیں۔ میرے کاغذ!'' مگر مرینا کی التجا کسی نے بھی نہ سنی کیونکہ چور نے بیگ چھینتے ہی دوڑ لگا دی تھی اور جا چکا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ کھڑی ہوئی۔ اس کے حواس ابھی بحال نہیں ہوئے تھے اور وہ تکلیف میں تھی۔ اس کا گھر ابھی کچھ ہی دور تھا لیکن اب وہ اتنی کمزوری محسوس کر رہی تھی کہ بمشکل چل سکتی تھی۔ اس نے تحائف والا کینوس کا بیگ اٹھایا۔ بوندا باندی شروع ہوگئی۔ اس کی چھتری اسی دستی بیگ میں تھی، جس سے وہ محروم ہو چکی تھی۔ اسے بھیگنے میں کوئی حرج نہیں تھا............ اس وقت تو یہ صرف کاغذات کا نقصان تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔

تنخواہ میں اضافے کے لئے اسے اب صرف ان کاغذات کو تنخواہ والے کلرک کو دکھانا تھا۔ اتنے سالوں کی نوکری کے بعد وہ جانتی تھی کہ منیلا خط یا تار بھیج کر کاغذات کی نقول نہیں منگوائی جاسکتیں۔ اسے دوبارہ منیلا جانے اور ایک مرتبہ پھر اس اذیت ناک تجربے سے گزرنے کے موہوم امکان نے مرینا کو خوف زدہ کر دیا۔

اب ان کے گھر کی ٹین کی چھت نظر آنے لگی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ وہ اس کا استقبال کرنے کے لئے دروازے کی طرف لپکے۔ انہوں نے پھٹا ہوا بلاؤز، اس کے چہرے پر مٹی، اس کے گیلے اور ژولیدہ بال دیکھے۔ ان کے ان گنت سوالات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر مرینا اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہوگیا۔ اس کا غم اور غصہ ماتم انگیز سسکیوں کی صورت میں اس کے اندر سے پھوٹ پڑا۔ کسی قسم کی تسلی یا دلاسا اور نہ ہی کوئی آغوش اس بہاؤ کو روک سکتی تھی۔

MashalBooks.com

ایچ جعفر سالج (انڈونیشیا)

ایچ جعفر سالج آج کل جاپان کے شہر کیوٹو میں رہائش پذیر ہیں جہاں وہ انگریزی پڑھاتے ہیں۔ وہ تین براعظموں میں پلے بڑھے اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں مختلف ثقافتی اور نسلی اثرات نمایاں ہیں بہرحال ان کا مرکز توجہ جنوب مشرقی ایشیا ہی رہا ہے اور ملائشیا، سنگاپور اور انڈونیشیا کا ثقافتی ماحول رسمی طور پر ان کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ سالج کی ادبی تحریروں کا بنیادی موضوع یہ رہا ہے کہ تیزی سے تبدیل ہوتی دنیا میں روزمرہ کی زندگی کس طرح بسر ہونی چاہئے۔ ان کے افسادے زیادہ تر ترقی پذیر ایشیائی ممالک میں ترقی کے نظریے سے متعلق ہوتے ہیں ''پرچھائیوں کا رقص'' سالج کے 1982ء میں شائع ہونے والے افسانوں کے مجموعے سے لیا گیا ہے۔ یہ ترقی پذیر ایشیائی اور مغربی ثقافتوں کے ساتھ ساتھ انڈونیشیا کے اقتصادی طور پر بٹے ہوئے گروہوں کے مابین تفریق کا جائزہ بھی لیتا ہے کہانی کے مرکزی کردار صائمہ کا زندہ رہنے کے لئے روز ایک نئے ہولناک تجربے سے گزرنا جنگ عظیم دوم اور کوریائی جنگ کے بعد کے ادوار کے دوران بنائی جانے والی شاندار جاپانی اور کوریائی فلموں کی یاد بھی تازہ کرتا ہے۔

پرچھائیوں کا رقص

لڑکی تنگ پلنگ کے ایک سرے پر جھکی، اس نے اپنا گلا صاف کیا اور فرش پر تھوک دیا ''یہاں مت تھوکو'' اس نے کہا۔

خاموش مسکراہٹ کے ساتھ لڑکی نے اپنے ساتھ لیٹے ہوئے مرد کی طرف دیکھا لیمپ کی زرد ٹمٹماہٹ میں اس کے سانولے چہرے پر مسکراہٹ خاصی مضحکہ خیز دکھائی دے رہی تھی وہ بستر سے اٹھی اور غسل خانے میں چلی گئی جہاں سے گلا صاف کرنے اور تھوک کے گیلے فرش سے ٹکرانے کی آواز آئی۔

سرمئی اور نیلے دھاری دار پردے سے ڈھکی ہوئی کھڑکیوں کے پیچھے ایک نرم گفتار مرد اور پرجوش عورت کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ ان مقامات کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے جہاں انہیں جانا تھا۔ عورت کی آواز دور کہیں بجتے ہوئے سائرن کی طرح گھٹ بڑھ رہی تھی۔

لڑکی واپس آ گئی اور دوبارہ مرد کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس نے مسکرا کر مرد کی طرف دیکھا۔ لیمپ کی لو اس کے سانولے بدن پر سرمئی اور سنہرے نمونے بنا رہی تھی۔ مرد نے لڑکی کے کندھے کو تھپتھپایا پھر اس نے لڑکی کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کی ہتھیلی کو چھوا جو پتھر کی طرح سخت تھی۔ اس نے لڑکی کی ہتھیلی کی سخت جلد کو ملنا شروع کر دیا۔

دھیمی آواز والے مرد نے کہا اسے صحیح طرح نہیں معلوم کہ اسے اپنا کمرہ پسند ہے یا نہیں ''میں شاید ہندوستان جاؤں اور تاج محل کے قریب ٹھہروں یا پھر یہاں ہوائی اڈے کے قریب کمرہ لے لوں اور جہازوں کو پرواز کرتے اور اترتے ہوئے دیکھوں'' اس پر

عورت نے اپنی گھٹتی بڑھتی جوشیلی آواز میں جواب دیا''جیسا تمہیں اچھا لگے ویسا ہی کرو''

اس نے سوچا کہ یہ لڑکی بھی شاید ان بہت سے لوگوں میں سے ہے جو فصلوں کی بوائی اور کٹائی کی مشقت اور بڑھتی ہوئی غربت کے بوجھ سے پیچھا چھڑا چکے ہیں لیکن اس وقت وہ اس سلسلے میں اپنے ذہن پر زور ڈالنے کی بجائے اس لڑکی کے ساتھ اپنے تعلق کے متعلق سوچنا چاہتا تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مچھر بھگانے والی کوائل جلائی جس کی تلخ خوشبو کمرے کے ہر طرف پھیل گئی''میرا نام کلاڈ ہے''اس نے کہا''تمہارا نام کیا ہے''

''صائمہ''

''یہ تو مسلمانوں والا نام ہے کیا تم مسلمان ہو؟''

''ہاں''

''میرا خیال تھا تمہارا تعلق ڈین پیار سے ہے''وہ دوبارہ لیٹ گیا۔

''ہاں اب میں وہاں رہتی ہوں ایک مہینے بعد میں مادورا میں اپنے گاؤں واپس چلی جاؤں گی''۔

''اچھا'' کلاڈ نے لڑکی کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ صائمہ نام کے پیچھے کیا چھپا ہے گزشتہ رات صائمہ جس دلال کے ساتھ تھی اس نے پوری کوشش کی تھی کہ کلاڈ اسے فوراً پسند کرلے''صاحب آپ کو اس سے اچھی نہیں ملے گی'' دمکتے ہوئے سفید دانت چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں۔کلاڈ نے صائمہ کو بتایا کہ وہ اس سے رات کو ملے گا۔

لیکن بے مقصد کھڑا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ وہاں کیوں انتظار کر رہا ہے۔ تاریکی نے سب کچھ تبدیل کر دیا تھا اب وہ مزید اس جگہ کو نہیں پہچانتا تھا جو کچھ گھنٹے پہلے تک تیز دھوپ میں جھلس رہی تھی۔اس کے بائیں طرف سیاحوں والے ریستوران سے مغربی موسیقی کی آواز آرہی تھی۔دائیں طرف ایک تنگ اور انتہائی تاریک راستہ تھا اسے امید تھی کہ لڑکی اس طرف آئے گی۔

دائیں طرف سے ایک سایہ نمودار ہوا وہ ہچکچاتا ہوا آگے آیا اور کلاڈ کے قریب کھڑا ہو گیا''صاحب آپ کو لڑکی چاہئے۔جوان لڑکی صرف پندرہ سال کی بہت سستی''

''کتنی سستی''

''دو ہزار روپیہ میں۔اگر پوری رات کے لئے چاہئے تو پانچ ہزار روپیہ''

MashalBooks.com

دائیں طرف سے ایک شور مچاتی ہوئی موٹر سائیکل ان کے قریب آئی۔ ایک لڑکی چھلانگ مار کر اس کی پچھلی نشست سے اتری اور کلاڈ سے پوچھنے لگی ''کیا آپ کے پاس کمرا ہے۔ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''اسے ساتھ لے جائیں'' دلال نے کہا ''بہت اچھی لڑکی ہے بہترین''

''تم نے اسے یقیناً آزمایا ہوگا'' کلاڈ منہ ہی منہ میں بولا لڑکی کلاڈ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ دلال کی سفارش نے اسے خوش کر دیا مگر بظاہر بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ''میں کسی کا انتظار کر رہا ہوں'' کلاڈ نے کہا

وہ جاننا چاہتی تھی کہ کلاڈ کس کا انتظار کر رہا ہے

''میں اس کا نام نہیں جانتا''

وہ بالکل اس طرح اصرار کر رہی تھی جیسے لڑکے لڑکیاں مرد اور عورتیں اپنا سامان بیچنے کے لئے ساحل پر آئے ہوئے سیاحوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں:

''صاحب آپ کچھ پینا چاہتے ہیں''

''آپ کو باٹیک (ایسا کپڑا جس پر پگھلی ہوئی موم کے نمونے بنا کر کڑھائی کی گئی ہو) دکھاؤں؟''

''لکڑی کی بنی ہوئی چیزیں''؟

''قمیص؟''

اور اسی طرح دوسری چیزیں۔

غروب آفتاب کے وقت:

جیسے ہی غیر ملکی سیاح غروب ہوتے ہوئے سورج اور ساحل کو دیکھنے کے لئے اپنی ایئر کنڈیشنڈ بسوں سے اترتے ہیں، پھیری والے ان پر دھاوا بول دیتے ہیں۔

سروں پر باتیک سے بھری ہوئی ٹوکریاں اٹھائے عورتیں اپنے گھروں کو لوٹ رہی ہیں بچوں نے پگھلتی ہوئی برف کی بالٹیوں میں شرکت کی بوتلیں اٹھائی ہوئی ہیں اور آخری بکری کی کوشش میں ریت میں بیٹھ کر غروب آفتاب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سیاحوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔''

''آپ کچھ پینا چاہتے ہیں؟''

''آپ باتیک خریدنا چاہتے ہیں؟''

بیچنے کے لئے پیش کی جانے والی ہر چیز کے لئے نفی میں ہلتا ہوا سر''نہیں شکریہ۔''

''ہمیں اکیلا چھوڑ دو''

سیاح اپنی آرام دہ اور ٹھنڈی بسوں میں واپس چلے جاتے ہیں اس کے بعد انہیں بہترین ڈنر کرنا ہے اور ثقافتی شو دیکھنا ہے۔

اور بعد میں تاریکی چھا جاتی ہے صائمہ اور اس کی سہیلیاں پہنچتی ہیں۔ کچھ اکیلی باقی موٹر سائیکلوں پر، اپنے دلال دوستوں کے پیچھے بیٹھ کر وہ اس طرح جتھے کی صورت میں آتی ہیں جیسے مہال کھیاں شہد کی تلاش میں۔ اندھیرے میں ریستورانوں کے قریب یا پھر سڑک سے ذرا پرے ہٹ کر ساکت کھڑی رہتی ہیں جیسے ہی کوئی شکار نظر آتا ہے وہ اس پر اس طرح لپکتی ہیں جیسے مکڑی اپنے جال میں پھنسے ہوئے کیڑے پر۔

''اس کے ساتھ تو پہلے ہی کوئی ہے''لڑکی نے کہا اور موٹر سائیکل پر اپنے دوست کے پیچھے بیٹھ گئی انجن کا شور بلند ہوا اور وہ کسی اور گاہک کی امید میں ریستوران کی طرف بڑھی۔

دائیں طرف سے ایک اور موٹر سائیکل نمودار ہوئی اس کا انجن بند ہوا۔

''صاحب آپ''

یہ صائمہ کا گزشتہ رات والا دلال تھا

''لڑکی کہاں ہے؟''

''اسے کیوں نہیں لے جاتے۔''اس نے اپنے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چھلانگ لگا کر نیچے اتری اور کلاڈ کے سینے پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔

''صاحب مجھے اپنے ساتھ لے جائیں''

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا''لڑکی کہاں ہے۔''اس نے دلال سے پوچھا۔

''وہاں کھانا کھا رہی ہے''دلال نے ساحل کی طرف اشارہ کیا''کیا میں اسے بلاؤ''''ہاں''

''اسے لے جائیں''دلال نے ایک مرتبہ پھر کہا۔

''صاحب مجھے لے جائیں''لڑکی نے کہا۔

یہ بھی عجیب لوگ ہیں پندرہ سال کی لڑکی سے پیشہ کروانا ان کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ''صاحب انڈونیشیا میں آدمی کے پاس ایک لڑکی ضرور ہونی چاہئے۔'' لڑکی اور دلال ہنسے اور اسے بھی اپنی گفتگو میں شامل کر لیا۔ لڑکیاں اس طرح باتیں کر رہی تھیں اور ہنس رہی تھیں جیسے ہر چیز حسب قاعدہ ہو۔ شاید اسی طرح تھا۔

لڑکی نے اپنے ہاتھ اس کے سینے پر پھیرے'' صاحب مجھے اپنے ساتھ لے جائیں''

وہ منہ ہی منہ میں بولی۔

''میں اسے بتا دوں گا'' دلال نے کہا اور اپنی موٹر سائیکل گھمائی۔ لڑکی اس کے پیچھے بیٹھ گئی اور وہ تاریکی میں گم ہو گئے۔

صائمہ نے اپنا گلا صاف کیا اور فرش پر تھوک دیا اس کا تھوک دروازے کے قریب والی دیوار اور پلنگ کے درمیان فرش سے ٹکرایا۔

''تھوکو مت''

صائمہ خاموشی سے مسکرائی۔

کلاڈ نے ایک مچھر مارا جو ابھی ابھی اس کی ٹانگ پر بیٹھا تھا۔ پردے سے ڈھکی ہوئی کھڑکیوں کے قریب اونچی نیچی آوازیں آ رہی تھیں۔

''یہ کون لوگ ہیں؟'' شاید وہ دھاری دار پردے سے اندر دیکھ سکتے تھے۔ بہر حال اس میں شک و شبہ والی کوئی بات نہیں تھی کہ کھڑکیوں کے اوپر ہوا کے سوراخوں سے کوئی بھی کمرے کی سامنے والی دیوار پر ان کے سائے دیکھ سکتا تھا'' یہ کون لوگ ہیں پولیس والے تو نہیں ہے۔''

صائمہ نے بھنویں چڑھا کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''تمہارا دلال؟''

صائمہ نے اس کی بات پورے غور سے سنی پھر وہ اطمینان دلانے والے انداز میں مسکرائی'' وہ نہیں ہو سکتا وہ وہاں ہے'' اس نے ساحل کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا

''کیا تم نے یہ کہا تھا کہ تمہارا تعلق مادورا سے ہے؟ میں وہاں کبھی نہیں گیا''

''آپ میرے ساتھ جا سکتے ہیں کشتی سے جانے پر ایک ہزار روپیہ لگے گا''

''میں وہاں کیا کروں گا؟''

ہلکا سا قہقہہ ''میں نہیں جانتی''

''کیا تم یہ پسند کرو گی کہ میں تمہارے ساتھ وہاں جاؤں۔''

''ہاں'' وہ کلاڈ کے ہر سوال کا جواب اثبات میں ہی دے رہی تھی کیونکہ عشق و محبت کے اس سنجیدہ کھیل جو فطری خواہشات اور بقا کی ضرورت کو یکجا کر دیتا تھا کے اختتام پر اسے پانچ ہزار روپے ملنا تھے۔

اونچی آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں مگر مرد اور عورت کی باتوں کی آواز ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

مچھر بھگانے والے زہر نے جس کا تلخ دھواں کمرے میں ہر طرف پھیل چکا تھا مچھروں کا کچھ نہ بگاڑا لیکن اس سے کلاڈ کا گلا کڑوا ہو گیا۔ اس نے ایک اور مچھر کو ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن وہ سلگتی ہوئی کوائل سے اٹھنے والے مہین سرمئی دھوئیں کے بادل میں سے فرار ہو گیا۔ اس نے سگریٹ سلگایا۔ دھوئیں کے بادل نے مچھروں کو منتشر کر دیا اس نے صائمہ کے متعلق سوچا اور کہا ''تمہیں یہاں کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

''تین دن'' اس نے اپنا گلا صاف کیا لیکن اس نے تھوکا نہیں۔ اس کی چھ بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ ایک صبح اس نے اپنا سامان باندھا اور گھر کو خیر باد کہہ دیا ''جب میرے پاس کافی پیسے ہو جائیں گے تو میں واپس جاؤں گی اور یہ پیسے اپنے والدین کو دے دوں گی وہ بہت غریب ہیں صاحب مادورا سے بہت سی لڑکیاں یہاں کام کرنے آتی ہیں ان میں سے زیادہ تر کچھ عرصے کے بعد واپس چلی جاتی ہیں۔''

''تم کتنے سال کی ہو؟''

''دس'' اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور انگلیاں پھیلا دیں ''دس''

دس؟ سگریٹ سے گرم راکھ گری جس نے اس کی چھاتی کے کچھ بال جھلسا دیے اور جلد کو چھید دیا۔ تیز لمحاتی درد۔ جلے ہوئے بالوں کی بو۔ کیا دس سال کی لڑکی اتنی بڑی ہو سکتی ہے۔ صائمہ کے پستان چھوٹے تھے۔ ابھی پوری طرح بھرے ہوئے نہیں تھے لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟ کلاڈ کو ایسے لگا جیسے وہ ریاضی کا کوئی سوال حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ دس کی نہیں ہو سکتی۔ شاید پندرہ کی ہو۔

''تم دس سال کی کس طرح ہو سکتی ہو۔'' اس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے پوچھا لیکن صائمہ سو چکی تھی اس کے منہ پر مسکراہٹ منڈلا رہی تھی۔ نرم گفتار مرد اور پر جوش

MashalBooks.com

عورت کی نا قابل فہم الفاظ میں ہونے والی گفتگو ابھی تک جاری تھی۔ آج بیرونگ (وحشیانہ رقص جس میں ناچنے والے بیخود ہوکر اپنے جسم میں چاقو گھونپتے ہیں) کی رات تھی ناچنے والے چھ سو روپے فی سیاح کے حساب سے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ ڈھول کی تھاپ پر اپنے جسم میں چاقو گھونپ رہے تھے اور خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا رہے تھے۔

جکارتہ کی گلیوں میں بھیک مانگتے ہوئے بوڑھے مرد اور عورتیں چیتھڑوں میں ملبوس ایک آدمی ریستوران کے وسط میں کھانے سے ڈھکی ہوئی میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کے قریب کھڑا ہے۔ وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ حالانکہ اونچی آواز میں فریاد کرتا ہے ''جناب میں بھوکا ہوں کچھ کھانا چاہتا ہوں'' ریستوران کا مالک اسے دھکے دے کر باہر نکلوا دیتا ہے۔

بھوکے لوگوں کی حالت زار جکارتہ کے نئے سبز چہرے پر چیچک کے داغوں کی مانند ہے کوئی انہیں کچھ نہیں دیتا تھا۔ یہ امید کرنا بھی بیکار تھا کہ کوئی ان کی مدد کرے گا۔

یا جیسے انثان کہا کرتی تھی ''اس میں فکر کرنے والی کیا بات ہے۔ یہ تو زندگی کا حصہ ہے''

انثان۔ خوبصورت انثان کا تعلق بینکروں اور سفارت کاروں کے خاندان سے تھا اور وہ کلاڈ سے شادی کرنا چاہتی تھی ''میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہنا چاہتی'' لیکن کلاڈ نے جواب دیا کہ اس سے کام نہیں چلے گا نہ صرف اس لئے کہ وہ اس سے اتنی محبت نہیں کرتا تھا جتنی شادی کے لئے کافی ہو بلکہ اس لئے بھی کہ اسے بینکاروں اور سفارت کاروں کی دنیا میں داخل ہونے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔

انثان کے ہیرے اور نیلم، جو ایک بھاری سنہری زنجیر سے لٹکے ہوئے زیور کے ساتھ اس کی دبلی پتلی گردن کے گرد جھول رہے تھے برقی بلب کی مبہم روشنی میں چمکے۔

''کیا ہم کبھی شادی نہیں کر سکتے۔''

''میں نہیں جانتا'' اس نے کہا

جب انثان نے اپنے بازو کلاڈ کی گردن کے گرد حمائل کیے تو اس کی سنہری چوڑیاں کھنکیں اس نے اپنی ہرنی جیسی سیاہ آنکھیں کلاڈ کی آنکھوں میں ڈال دیں'' لیکن میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں'' اس نے قدرے دردبھری آواز میں کہا۔

کلاڈ نے لیمپ بجھا دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ صائمہ نے اس کی تقلید کی انہوں نے

MashalBooks.com

اپنے کپڑے پہن لئے ۔اس نے اپنی پتلون کی جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور صائمہ کو دے دیئے۔

''شکریہ صاحب'' اس نے نوٹ گنے اور اپنی خالی انگیا میں اڑس لئے ۔کلاڈ اسے بڑی سڑک تک چھوڑنے آیا اپنے کمرے میں واپس آ کر وہ فوراً سو گیا۔

کلاڈ کی خواہش تھی کہ صائمہ اسے صاحب کہہ کر نہ پکارے۔

صائمہ وہ حقیقت تھی جس سے انثان نظریں چراتی تھی۔انثان اس پر یقین نہیں کرتی تھی جو ہر طرف دیکھا جا سکتا تھا''ان فقیروں کو پانچ روپے سے زیادہ مت دیا کرو'' اس نے جکارتہ کی ایک بارانی سہ پہر کو کلاڈ سے کہا''یہ اس رقم سے منشیات اور شراب خریدتے ہیں''

کلاڈ نے اس مسخ شدہ ہاتھ کی طرف دیکھا جس میں اس نے ابھی ابھی پچاس روپے کا سکہ رکھا تھا''اسے بھی''

انثان نے اثبات میں سر ہلا دیا

جس آدمی کو میں نے ابھی ابھی سکہ دیا اس کا جسم زخموں سے چور ہے وہ مر رہا ہے۔

''شاید'' وہ بولی

ایک یا دو راتوں بعد صائمہ اس ریستوران کے ساتھ والی گلی سے نمودار ہوئی جہاں اس نے تھوڑی دیر پہلے کھانا کھایا تھا''اور صاحب آج رات میں دلال کے بغیر آئی ہوں'' وہ اطمینان سے مسکرائی۔

کلاڈ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا''صائمہ میں نہیں جانتا شاید آج رات نہیں''

''نہیں صاحب برائے مہربانی مجھے اپنے ساتھ لے جائیں'' اس کے ہاتھوں نے کلاڈ کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا وہ اتنے قریب کھڑی تھی کہ وہ اس کے دل کی دھڑکن محسوس کر سکتا تھا''میں نہیں جانتا'' وہ ہچکچایا میں تمہیں پچھلی بار جتنے پیسے نہیں دے سکتا'' مسئلہ پیسوں کا نہیں تھا اسے صائمہ کے لئے ہمدردی محسوس ہوئی اس کے علاوہ کلاڈ کا دل آج رات کسی کو ساتھ لے جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

''صاحب آپ کی مرضی''

وہ اسے ساتھ لے گیا

جب کلاڈ صائمہ کے ساتھ واپس آیا تو دھیمی آواز والا شخص اس کے کمرے کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کا نام لائل تھا لائل کا تعلق لاس اینجلس سے تھا اور وہ ایک ٹریول ایجنٹ کے لئے کام کرتا تھا وہاں بیٹھا وہ دو لیمپوں کی روشنی میں رسالہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے قدموں میں مچھر بھگانے والی کوائل جل رہی تھی جب کلاڈ نے دروازے کا تالا کھولا تو اس نے اوپر نہ دیکھا۔

لائل کلاڈ کو بتا چکا تھا کہ اس نے پچھلی رات ایک لڑکی کے ساتھ ساحل سمندر پر گزاری تھی ''میرے دوست'' میں نے آج تک اتنی رسیلی لڑکی کے ساتھ رات نہیں بسر کی''

''وہ لڑکی کتنے سال کی تھی - چودہ سال سے بڑی تو نہیں ہوگی۔''

''نہیں نہیں وہ کم از کم پندرہ سال کی تھی'' وہ خوش الحانی سے ہنسا۔

''تم نے کبھی اس حقیقت کے متعلق سوچا ہے کہ وہ اپنی غربت کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں؟

''ہم نے ریت کے ٹیلے پر رات گزاری ستاروں تلے واقعی بہت لطف آیا''

اس نے اپنے دانتوں کے درمیان ہلکی سی سیٹی بجاء اور نیم گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔

''اگر تم غریب اور بھوکے ہوتے'' ....

لائل نے اتفاق کیا۔ ''یقیناً غربت بڑی ظالم چیز ہے، لیکن پھر بھی وہ ان لڑکیوں میں سب سے بہتر تھی جن کا قرب مجھے آج تک حاصل ہوا ہے۔ اس نے خوش کن یاد کے نشے میں اپنا سر آہستگی سے ہلایا اور دونوں ہاتھ ملے'' یہ کم عمر لڑکیاں بہت لذیذ ہیں خاص طور پر ساحل پر جب سمندر نکلا ہو اور چاند کی لہریں ساحل سے ٹکرا رہی ہوں'' اس نے اپنے دانتوں کے درمیان سے سیٹی بجائی۔

صائمہ نے کپڑے اتار دیئے۔ تیل کے لیمپ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں اس کے ہاتھ اور جسم پلستر کی دیوار پر پرچھائیوں کا رقص پیش کر رہے تھے ''میں دو دن کے لئے واپس مادورا گئی تھی'' اس نے اپنا لباس تہہ کر کے بستر کے نچلے سرے پر رکھتے ہوئے کہا

’’خط آیا تھا کہ میرا باپ بیمار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے صاحب آپ نے مجھے جو پانچ ہزار روپے دیے تھے ان سے میں نے سفر کا خرچہ کیا اور باقی رقم اپنے والدین کو دے دی وہ بہت غریب ہیں‘‘ وہ مسکرائی۔

’’تمہارے باپ کو کیا ہوا ہے؟‘‘

’’میں نہیں جانتی اس کے سینے میں کوئی تکلیف ہے۔ وہ ہسپتال میں ہے اس لئے کھیتوں میں کام نہیں کر سکتا‘‘ وہ پلنگ پر لیٹ گئی۔

لائل نے اپنے رسالے کا صفحہ پلٹا اور کھانسا۔ کتے بھونکے۔ گیلے سرمئی فرش پر مچھر بھگانے والی کوائل جلی اور اس نے دھواں خارج کیا صائمہ کا جسم تیل کے لیمپ کی روشنی میں سونے کی طرح چمکا۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ واپس سڑک پر چلے گئے۔

’’میں اس طرف نہیں جانا چاہتی‘‘ صائمہ نے سرگوشی کی ’’بہت لوگ ہیں‘‘ اس نے بائیں طرف اشارہ کیا ریستوران کے قریب بہت سے لوگ اور موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں ’’میں اس طرف جاؤں گی اس نے کہا اور دائیں طرف اشارہ کیا ’’ٹھیک ہے‘‘ کلاڈ بولا تھوڑی دیر تک وہ گھپ اندھیرے میں چلتے رہے پھر اس نے اپنا ہاتھ کلاڈ کے ہاتھ سے نکال لیا اور کہا ’’آگے میں اکیلی جاؤں گی‘‘۔

ساحل کو جانے والے راستے کے بیچوں بیچ کھڑا کلاڈ لمبے سفید لباس میں ملبوس چھوٹی سی شبیہہ کو اس وقت تک دیکھتا رہا تھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی وہ مڑا اور آہستہ آہستہ واپس چل پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے داغ مفارقت دے گیا ہے یا اس نے کچھ کھو دیا ہے۔

لڑکیاں اس کے قریب آئیں اور خاموشی سے واپس اندھیرے میں چلی گئیں۔ وہ صائمہ اور اس کے تعلق کے بارے میں جانتی تھیں۔

کلاڈ واپس کمرے میں آ گیا۔ تیل کے لیمپ کی لو خاصی مدہم تھی صائمہ کی یاد پلنگ کی سرمئی چادر پر نقش ہو چکی تھی۔

اس نے روشنی بجھائی، بستر پر لیٹا اور سو گیا۔

انثان دو دن بعد پہنچی۔

انہوں نے جی بھر کر تفریح کی۔ دن کے وقت وہ ساحل پر چہل قدمی کرتے اور کرائے کی موٹر سائیکل پر مختلف تفریحی اور تاریخی مقامات کی سیر کو جاتے اور رات کو لیمپ کی رقص کرتی ہوئی روشنی میں انثان ان تصوراتی کرداروں جتنی خوبصورت لگتی جن کے متعلق وہ کہانیوں میں پڑھ چکی تھی محبت اور شادی کے بارے میں کہانیاں۔ کہانیاں جن میں مرد اور عورت کا حل طلب رومانی مسئلہ عموماً تسلی بخش طریقے سے حل ہو جاتا تھا۔

اس لمحے وہ اپنی ذاتی کہانی جی رہی تھی۔ اس نے کلاڈ سے سرگوشی کی کہ وہ بہت خوبصورت ہے ''مجھے تم سے محبت ہے'' اور اس نے سنہری چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ اپنی بانہیں کلاڈ کے گلے میں ڈال دیں ان کی دیو قامت پرچھائیاں پلستر کی دیوار پر نمودار ہوئیں اور کلاڈ نے ان کی طرف دیکھا۔ پرچھائیوں کے اس کھیل نے جس میں وہ تیلی نچانے والا تیلی اور دونوں کی پرچھائیں تھیں اسے مسحور کر دیا۔ اس نے انثان کی طرف دیکھا ''جن عورتوں سے میں آج تک ملا ہوں تم ان میں سب سے زیادہ حسین ہو'' اس نے کہا انثان واقعی بہت حسین تھی۔

انثان کے کانوں میں پڑی ہوئی ہیرے کی بالیوں کی مدہم چمک کے پیچھے سے دیکھتے ہوئے کلاڈ پرچھائیوں کی ہر حرکت کا تعاقب کر رہا تھا۔ خوبصورتی حسن اور محبت کا کیا مطلب تھا۔ کیا نا کافی روشنی کی وجہ سے جس میں خط و خال مائع بن گئے اور گہری لکیریں نرم پڑ گئیں ان میں اضافہ نہیں ہو گیا تھا۔ دیوار پر موجود صرف تاریک پرچھائیوں نے اپنی ایک رخی اشکال میں حقیقت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا کیونکہ حسن اور پیار کے فریب نظر نے انہیں مسخ نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ پرچھائی کے نقطہ نظر نے صائمہ کی غربت بھی کم شدید دکھائی دی تھی۔

''میں کچھ کھانے جا رہا ہوں'' اس نے کہا ''مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی'' اس نے انثان کے بازو اپنی گردن کے گرد سے ہٹا دیے۔ اس نے اپنی سیاہ چمک دار آنکھوں سے کلاڈ کی طرف دیکھا ''زیادہ دیر مت لگانا مجھے تمہارے بغیر رہنا اچھا نہیں لگتا۔ لڑکیوں کے چنگل میں مت پھنس جانا'' بے دلی سے اس نے اپنی نگاہیں چھت کی طرف مرکوز کر دیں اور جمائی لی۔

MashalBooks.com

''یہ علاقہ طوائفوں سے بھرا پڑا ہے۔''

کلاڈ نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

''صاحب'' صائمہ اچانک اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ کلاڈ کے پیٹ پر رکھ دیئے۔ پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے ''صاحب مجھے اپنے ساتھ لے جائیں''۔

''صائمہ میں ایسا نہیں کر سکتا، جکارتہ سے میری دوست آ چکی ہے۔''

''ہاں میں نے کل رات آپ کو اس کے ساتھ دیکھا تھا'' صائمہ نے اس کے ہاتھ تھامے رکھے اور قریب کھڑی رہی۔ ''صائمہ میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا میں تمہیں اپنے کمرے میں نہیں لے جا سکتا۔''

''صاحب''

''اگر میں تمہیں پیسے دوں تو کیا تم گھر چلی جاؤ گی''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آؤ'' وہ تھوڑی دیر تک اسی رستے پر چلتے رہے حتیٰ کہ وہ جھاڑیوں تک پہنچے اور وہ ان کے پیچھے بیٹھ گئے۔

''صاحب بہت لوگ ہیں'' اس نے مایوسی کے عالم میں سرگوشی کی اور کلاڈ کا بوسہ لیا موٹر سائیکلیں اور لوگ گزر رہے تھے۔ بلند آوازیں، قہقہے۔ ایک آدمی ان پر ٹارچ سے روشنی ڈال رہا تھا۔

کلاڈ نے بازو صائمہ کے کندھوں کے گرد رکھ دیا۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح بیٹھے اپنے اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی میں دیکھتے رہے۔

''صاحب بہت لوگ ہیں''

''فکر مت کرو صائمہ سب ٹھیک ہے یہ لو'' اس نے ہزار روپے کا نوٹ صائمہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''شکریہ صاحب'' اس نے نوٹ اپنی انگیا میں اڑس لیا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور تنگ راستے پر واپس جانے لگے۔ دو لڑکیوں نے ان سے پوچھا ''صائمہ، کدھر جا رہی ہو؟''

''گھر''اس نے جواب دیا۔

بڑی سڑک پر پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں واپس جانے کے لئے بائیں طرف مڑا۔کم از کم آج رات تو صائمہ سڑکوں پر نہیں ہوگی لیکن اس کا کیا مطلب تھا۔کل وہ دوبارہ باہر ہوگی اسے پیٹ بھی بھرنا تھا۔اس کا خاندان غریب تھا اوراس کا باپ بیمار۔ کلاڈ کی خوداطمینانی درحقیقت خودفریبی تھی۔صائمہ کے مسائل صرف اس لئے ختم نہیں ہو گئے تھے کہ اس نے پچھلے چند دنوں میں اسے چند ہزار روپے دے دیئے تھے۔اس کے مسائل لامتناہی تھے۔

کلاڈ کو یاد آیا کہ وہ کمرے سے کھانا کھانے کی نیت سے نکلا۔جب وہ ہلتی پلائی وڈ کی میزوں میں سے ایک پر بیٹھا تو وہ بھول چکا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے تک اسے بھوک لگی ہوئی تھی اس نے فروٹ جوس منگوایا۔اذیت بھی کیا عجیب چیز ہے۔انثان اس لئے اذیت جھیل رہی ہے۔کیوں کہ اسے محبت ہے۔صائمہ کو اس لئے محبت کرنی پڑتی تھی کیونکہ وہ اذیت جھیل رہی تھی انثان نے اس میں حسد اور شک شامل کر کے اسے ڈرامائی رنگ دے دیا تھا۔صائمہ کے پاس ڈرامائی انداز اپنانے کا وقت نہیں تھا۔اس نے جوس پیا جو بہت میٹھا تھا صائمہ کے پاس اذیت جھیلنے کا وقت نہیں تھا وہ زندہ رہنے کے لئے کوششیں کرنے میں ضرورت سے زیادہ مصروف تھی۔اذیت کا منبع محبت تھی کوئی بھی اس کے بغیر گزارا نہیں کرسکتا تھا۔کچھ لوگ محبت کرنے کے لئے رقم خرچتے تھے باقی محبت کرنے کا معاوضہ طلب کرتے تھے۔

کلاڈ کو صائمہ کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے تقریباً دس ہزار روپے خرچنے کا افسوس نہیں تھا۔اسے زیادہ افسوس ان تیس ہزار روپے کا تھا جو اس نے لکڑی سے تراشے ہوئے ایک نمونے پر خرچے تھے۔حالانکہ یہ بالی کے ایک مشہور فنکار کا بنایا ہوا شاہکار تھا یہ خوبصورت نمونہ آبنوس کے ایک ٹھوس ٹکڑے کو کمال ہنرمندی سے تراش کر بنایا گیا تھا لیکن یہ بے جان تھا اس بے حس سیاہ لکڑی کا لمس صائمہ کی حساس گندمی جلد کے لمس کے مقابلے میں بے وقعت تھا۔

کلاڈ کو لکڑی کے اس نمونے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس خیال نے اسے یہ خریدنے پر مجبور کردیا کہ شاید اس وقت پاک ٹوگوگ کے اس بوڑھے شخص کو جس نے یہ

MashalBooks.com

بیچنے کے لئے پیش کی گئی رقم کی اس سے زیادہ ضرورت ہو۔ ملک واپسی پر وہ شاید یہ کسی دوست یا پھر اپنے والدین کو تحفے میں دے گا۔

کلاڈ کے سامنے دو دنیائیں تھیں۔ ایک وہ جس میں ایسے دیوتاؤں اور بلاؤں کی بھرمار تھی جو بھینٹ طلب کرتے تھے اور دوسری وہ جس میں بقا کی بنیادی ضرورت ایک فطری خواہش کو دبا کر پوری کی جاتی تھی۔ صائمہ کے لئے دنیا کا مطلب دن کے وقت گولیاں اور مشروبات اور رات کے وقت خود کو بیچنا تھا۔ اس کی دنیا کا اختتام بیماری اور پوپلی ہنسی تھا شاید وہ کبھی بھی اپنے گاؤں واپس نہیں جائے گی۔

جب کلاڈ کمرے میں واپس آیا تو اناان سو چکی تھی۔ اس کا خوبصورت چہرہ تیل کے لیمپ کی طرح مڑا ہوا تھا۔ کلاڈ نے فرش پر دھبوں کی طرف دیکھا جہاں صائمہ نے تھوکا تھا اس کی خوش قسمتی کا چند روزہ دوران ہزار روپوں کے ساتھ اختتام کو پہنچ چکا تھا جو آج رات کلاڈ نے اسے دیئے تھے۔

MashalBooks.com

جوزے ڈیلیسے جونیئر (فلپائن)

جوزے ڈیلیسے جونیئر 1954ء میں روملون کے جزیرے پر واقع ایک گاؤں الکنستر میں پیدا ہوئے، ان کا خاندان نقل مکانی کر کے منیلا آ گیا۔ 1970ء میں انہوں نے یونیورسٹی کی تعلیم کا آغاز کیا لیکن مالی دشواریوں کے باعث ایک سال بعد ہی تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اگلی دہائی کے دوران وہ مختلف پیشوں سے، جن میں صحافت بھی شامل تھی، منسلک رہے۔ بعد میں دوبارہ تعلیمی سال کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے 1984ء میں فلپائن یونیورسٹی سے انگریزی میں بی اے کیا اور اگلے دو سال یہیں پڑھایا۔ ڈیلیسے فل برائٹ سکالرشپ کے تحت مشی گن یونیورسٹی، این آربر گئے۔ وہاں انہوں نے تخلیقی ادب میں ایم ایف اے کیا۔ بعد میں انہوں نے وسکونسن یونیورسٹی، مل وو کی سے انگریزی میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ وہ انگریزی میں افسانوی ادب تحریر کرنے کے علاوہ اپنی مقامی زبان ٹیکالوگ میں بھی ڈرامے لکھتے ہیں۔ ''باغیوں کا گڑھ'' فلپائن میں نیو پیپلز آرمی کی بغاوت کی ہو بہو تصویر کشی کرتی ہے۔ ڈیلیسے کے افسانوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ بالی اور چین میں ہونے والی ادبی کانفرنسوں میں فلپائن کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ وہ منیلا کے قریب رہتے ہیں اور فلپائن یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے رکن ہیں۔

باغیوں کا گڑھ

دھندلا دھندلا سا نور کا تڑکا ہوا، جیسے شکست خوردہ فوج کا سپاہی سویرے کے بگل بجنے پر مایوسی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بلا مقصد، بلا وجہ، سپاہی کی طرح۔ سرمئی آسمان پر سورج کسی زرد دھبے کی مانند تھا۔ وہ کانپا، ٹھٹھرا اور تیزی سے اس سیلن میں تحلیل ہو گیا جو پڑاؤ اور اس میں موجود ہر شے پر چھائی ہوئی تھی اور بخارات سے بھرپور ہوا نے ہر خیمے گھوڑوں کی لید، گھاس، جو ان جگہوں سے پامال ہو چکی تھی جہاں سے بارود سے لدے ہوئے چھکڑے گزرے تھے، الکحل اور ایتھر، پیپ بھرے زخم، بارود اور جلی ہوئی لکڑی.......... میں صبح کو دھکیل دیا۔

جنگ کی سختیوں کے باوجود فیرارز ہوشمند اور بااخلاق شخص تھا۔ روزانہ اس کا سابقہ ٹوٹی ٹانگوں اور کٹے پھٹے انسانی اعضا سے پڑتا اور وہ انہیں ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا۔ خون اس کے پیشے کا حصہ تھا، موت کی طبعی حقیقت کا پہلا سبق ہے جو کوئی بھی سرجن سیکھتا ہے۔ فوج کے ڈاکٹروں کو بدترین تجربات کا سامنا کرنا پڑتا، بڑی تعداد میں لوگ ایک دوسرے پر پل پڑتے اور جب ان کا کام ختم ہو جاتا تو انہیں چھکڑوں میں ڈال کر واپس لایا جاتا۔ وہ ان سے پرسکون انداز سے ملتا، تدفین پر مامور دستہ اس کے پاس موجود ہوتا، موت کی تصدیق کرنا ان کا سب سے آسان کام تھا۔ یہ فیصلہ کرنا بھی اس سے تھوڑا ہی زیادہ مشکل تھا کہ زخمیوں میں سے کس کس کو محاذ جنگ پر واپس بھیجا جائے۔

بیماری کا بہانہ کرنے والوں کو وہ اپنی تجربہ کار نظر سے فوراً بھانپ لیتا۔ ان کے چہرے ہمدردی کے طلب گار ہوتے لیکن فیرارز کے پاس اس بڑے خیمے میں، جسے وہ میدانی ہسپتال کہتے، شدید زخمیوں کے لئے بھی کافی جگہ نہیں تھی۔ صرف ان لوگوں کو محاذ جنگ سے عارضی رخصت ملتی جو اپنے دو پیروں پر چلنے کے قابل نہ ہوتے۔ کم از کم تین لوگ پہلے ہی بخوشی اپنے پاؤں ضائع کر چکے تھے، ان کے زخموں کی نوعیت مشکوک تھی لیکن

MashalBooks.com

فیرارز نے فوجی عدالت کے کام میں معاونت کی زحمت گوارا نہ کی۔

فیرارز جنگ اور فوج، جس سے اس کا برائے نام تعلق تھا، کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا تھا، جنگ کی بے مقصدیت اس پر بہت پہلے سے عیاں تھی۔ مقامی باشندوں نے انقلاب برپا کر دیا تھا اور اس انقلاب کو طاقت سے کچلنے کی مہم انہیں سونپی گئی تھی۔ ان کی بٹالین قصبوں اور گاؤں سے جن کے نام بزرگوں کے ایک سلسلے پر رکھے گئے تھے، گزرتی ہوئی اندرونی علاقوں میں داخل ہوگئی۔ بیابیان میں ہر آبادی اپنے سے پہلے والی آبادی سے زیادہ آفت زدہ دکھائی دیتی۔ فیرارز کو وہ بوڑھا آدمی یاد تھا جو انہیں سان وکٹوریو میں ملا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا اور اس کے منہ سے پان کی پیک بہہ رہی تھی۔ فیرارز کو سانتانفے کا سردار بھی یاد تھا جو اپنے جھنڈے کی نقل کے ساتھ دوڑا دوڑا ان کے استقبال کے لئے آیا۔ انہیں گولیاں مارنے کے بعد ان کے دیہات جلا دیئے گئے اور فوج آگے بڑھ گئی ان کے جانے کے بعد مقامی لوگ تازہ بانس اور تاڑ کے پتوں کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوتے۔ ایک دن سے بھی کم میں گاؤں دوبارہ بن جاتے اور ناریل کی شراب کا ساتھ دینے کے لئے سور ذبح کئے جاتے۔ لوگ جی بھر کر تفریح کرتے، ناچتے اور سیر ہونے کے بعد وقفے وقفے سے سوتے۔

پہاڑوں میں باغیوں کی پوری فوج موجود تھی جس کے اپنے جرنل، کرنل اور کپتان تھے۔ یہ افسر وردیاں پہنتے تھے جب کہ جوانوں کے لئے لباس کی کوئی قید نہیں تھی۔ فیرارز نے تو یہاں تک سنا تھا کہ وہ کیلے کے پتے بھی پہن لیتے ہیں اور پھر اسی طرح بھیس بدلے دشمن کے خیموں میں گھس کر ان کی گردنیں کاٹ دیتے ہیں۔ افواہوں کے مطابق باغی لوگ بندروں کو بھی اس کام کی تربیت دیتے وہ سوئے ہوؤں پر سانپ اور جونکیں چھوڑ دیتے اور ندیوں اور کنوؤں کو مغویوں کے خون سے رنگ دیتے۔ فیرارز جانتا کہ ان افواہوں میں زیادہ صداقت نہیں ہے، تذبذب کی وجہ سے لوگ کم از کم چوکنے تو رہتے تھے۔ لاشیں آتی رہیں، کسی کے گردے میں گولی لگی ہوتی تو کسی کے دماغ میں۔ نہ وہاں بندر تھے اور نہ ہی تیز دھار والے پتے، صرف مرگ آور گولیاں اگلتی ہوئی بندوقیں تھیں............ دشمن کی فوج بھی تربیت یافتہ جوانوں پر مشتمل تھی۔ جہاں تک فیرارز کا تعلق تھا وہ کسی شخص یا کسی چیز کے لئے کوئی غیر معمولی جذبہ نہیں محسوس کرتا تھا اور اپنے ساتھی افسروں کے برعکس جنگ سے خاصا لاتعلق تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ

MashalBooks.com

انسانوں کا آپس میں جھگڑنا اور ایک دوسرے کا قتل و غارت کرنا انسانی عقل ناقص ہونے کی وجہ سے ایک قدرتی امر ہے۔

فیرارز اپنی ذمہ داریاں کسی وابستگی کے بغیر اور مستقل مزاجی سے ادا کرتا تھا۔ جنگ سے قبل وہ کچھ عرصہ کے لئے دارالحکومت کے خیراتی ہسپتال میں کام کر چکا تھا۔ وہ ہر قسم کے مریضوں کا علاج کر چکا تھا اور اسے تمام بیماریوں کے متعلق معلومات تھی۔ اس میں وہ صلاحیت پیدا ہو چکی تھی جسے لوگ بصیرت اور اہلیت سے تعبیر کرتے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے بہترین ڈاکٹر تھا لیکن شیو کرتے ہوئے اپنی آنکھوں میں تھکن دیکھ کر اسے احساس ہوتا کہ وہ بور ہو چکا ہے اور بیماری اور زخموں سے نفرت کرتا ہے۔

انہیں باغیوں کے گڑھ میں داخل ہوئے پانچ دن ہو چکے تھے۔ وہ باغیوں کے ایک دستے کا پیچھا کرتے ہوئے آئے تھے جو تعداد میں ان سے ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں تھے۔ مقابلے کے لئے بے چین جوان جنگلوں میں گھس گئے۔ پہلے گشتی دستوں کو کوئی نہ ملا، ان کے بعد آنے والوں کا استقبال وحشیانہ فائرنگ سے کیا گیا۔ پہلا دستہ واپس مڑا لیکن ایک مرتبہ پھر اسے کوئی نہ ملا۔ اپنے ساتھیوں کی لاشیں واپس لاتے ہوئے انہیں کسی عجیب و غریب مقامی لہجے میں قہقہے اور چیخیں سنائی دیں۔ جو لوگ انہیں لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے وہ ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔

اسے دوپہر سے کچھ پہلے دینگاس نامی سپاہی کی سر بریدہ لاش کے ساتھ واپس لایا گیا۔ اس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ چوبیس سالہ دینگاس گزشتہ رات اگلے مورچے پر پہرہ دے رہا تھا اور اپنے سے پہلے والے چند خوش نصیبوں کی طرح جنگجوؤں کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ یہ نہ تو افواہ تھی اور نہ ہی شیطان کا کام۔ بعض راتوں کو جب موسم سازگار ہوتا، جبلت ساتھ دیتی اور موذی جانوروں کی طرف سے حملے کا خطرہ نہ ہوتا تو ایک خاندان کے جگنو اولتی تلے گیند کی شکل میں جمع ہوتے۔ رات کے وقت یہ روشن چھتے مہاگنی کے پتوں کے رنگ والے آسمان میں نیچے لٹکے ہوئے چاند کی طرح لرزتے۔ کبھی کبھی اس طرح کی گیند اچانک اپنی جگہ سے ہلتی یا ہزاروں خمیدہ، لافانی چنگاریوں میں منتشر ہو جاتی، جب دینیگاس اس کی طرف بڑھا تو ایسے ہی ہوا۔ محفوظ فاصلے پر پہنچ کر جگنوؤں نے دوبارہ گیند کی شکل اختیار کر لی جو دھند میں روشن الاؤ کے مانند تھی اور دینگاس اپنی قسمت پر پھولے نہ سماتا اور ان الفاظ کے متعلق سوچتا ہوا جو وہ اپنی بیوی کے نام خط میں استعمال

کرے گا، جگنوؤں کے پیچھے بھاگا، رائفل اس کے پہلو سے ٹکرا رہی تھی۔ یک دم اس کا سامنا دشمن سے ہو گیا۔

دینگاس اپنی جگہ پر جم گیا، کندھے پر سے رائفل اتاری اور ان انگلیوں کو پرے دھکیلنے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگا جو اس کی انتڑیوں میں اتر رہی تھیں۔ اس نے چیخ ماری لیکن وہ اس کے حلق سے باہر نہ آسکی۔ وہ اپنے دشمن کو پرے دھکیلنے میں کامیاب ہو گیا۔ بے وفا جگنو خطرہ محسوس کرتے ہوئے اڑ گئے۔ دینگاس نے ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائی اور اپنی رائفل کو سینے سے لگا لیا جیسے وہ مقدس صلیب ہو۔ وہ آدمی یقیناً دشمن تھا کیونکہ اس کے ساتھ پہرے پر مامور واحد شخص اس کا اچھا دوست سائمن تھا جو اس وقت چوکی میں سو رہا تھا۔ سائمن نے کبھی یہ روشنیاں نہیں دیکھی تھیں دیکھتا اس کی کہانی سے بہت لطف اندوز ہوا ہوتا لیکن سائمن پہلے ہی ایک باغی کو گولی مار چکا تھا جب کہ اس سے پہلے وینیگاس کا سامنا کبھی کسی باغی سے نہیں ہوا تھا۔ اس کے سینے میں ایک جذبہ ابھرا، ایک قسم کی جرأت، ذرا سی ہمت کر کے وہ بھی اپنا پہلا شکار کر سکتا ہے۔ اس نے اپنا سانس ہموار کیا اور رائفل پر گرفت ڈھیلی کر کے دشمن کا انتظار کرنے لگا۔

گولی اس کے دل کے نیچے انتڑیوں میں لگی لیکن کسی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اسے تکلیف سے زیادہ حیرت ہوئی اور وہ ناک اور منہ کے بل کیچڑ میں گر گیا۔

بوٹ چھپ چھپ کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھے، اس کے قدموں کے قریب آکر رک گئے اور پھر اس کے پہلو کی طرف مڑے۔ وہ جو کوئی بھی تھا اسے اپنا سانس درست کرنے میں وقت لگا۔

اسے درد کا پہلا احساس حرکت کرنے پر ہوا، بوٹوں والے شخص نے اسے رائفل کے کچوکے سے سیدھا کرنے کی کوشش کی۔ اس شخص کو دوبارہ رائفل استعمال کرنے پر اکسانے کے بجائے باغی اپنا وزن ایک طرف کو منتقل کرتا ہوا خود ہی سیدھا ہو گیا۔ اسے اپنی رگوں میں پگھلی ہوئی آگ دوڑتی محسوس ہوئی، لیکن اس نے اس ٹھنک کے خلاف کچھ نہ کیا جو اس کے پیروں سے اوپر کی طرف رینگ رہی تھی۔ اسے اپنے منہ میں نمک اور تیل کا ذائقہ محسوس ہوا۔ اس کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا، آدمی دوسری طرف تھا۔ اپنی آنکھوں کو تھوڑا سا کھولتے ہوئے اس نے دیکھا کہ بولو (ایک طرح کا بڑا وزنی چاقو جو چھرے کی مانند ہوتا ہے) اس کی پہنچ میں پڑا ہے۔ اس نے جیسے ہی حرکت کی فوجی فوراً تن

گیا اور رائفل اس کے جبڑے سے لگا دی۔

وہ بے حس وحرکت پڑا رہا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔فوجی جانتا تھا کہ وہ زندہ ہے لیکن اس نے فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔رائفل کی نالی باغی کے جبڑے سے اوپر اٹھی، فوجی اس پر جھک گیا۔ باغی نے اس کی سانس سے اندازہ لگایا کہ اس کا منہ کتنے فاصلے پر ہے۔ایک ہاتھ نے اس کی جیب کی تلاشی لی، پھر یک دم رک گیا۔ فوجی کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اس کا دشمن باوردی ہے۔گو ابھی وہ نوعمر ہی تھا لیکن اس کی آنکھیں کسی بالغ شخص کی تھیں۔ پھر جیسے ہی لڑکے نے بولو پکڑا اور ایک دردناک چیخ کے ساتھ دینگاس کا سرتن سے جدا کیا۔ یہ آنکھیں یک دم کھلیں اور ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

اس صبح سائمن نے ہی باغی اور اپنے سر بریدہ دوست کو دریافت کیا۔ سائمن حیرت واستعجاب سے منہ کھولے یہ منظر دیکھتا رہا پھر لڑکے کے جسم پر غصہ اتارنا شروع کر دیا۔

سائمن نے وینیگاس کی رائفل اٹھائی اور لڑکے کے چہرے کا نشانہ باندھ کر فائر کر دیا، لیکن رائفل کا چیمبر خالی تھا۔سائمن نے رائفل ہوا میں بلند کی اور پوری طاقت کے ساتھ باغی کے منہ پر دے ماری۔ دانت ٹوٹنے کی آواز اور ایک بمشکل قابل سماعت کراہ سنائی دی۔

سائمن چیخا اور خوف سے رائفل پرے پھینک دی جیسے وہ شیطان کی چھڑی ہو۔ لڑکا زندہ تھا۔ دینگاس کے کیچڑ میں پڑے ہوئے چہرے سے بھی ایسا ہی خوف اور حیرت ٹپک رہی تھی۔

اپنا اوورکوٹ کندھوں کے گرد سمیٹتے ہوئے پھاٹک پر میجر بھی فیرارز اور تدفین پر مامور دستے کے ساتھ آملا۔ بارش کے آثار نمایاں تھے۔میجر چھوٹے قد کا آدمی تھا گو ایسا دکھائی دیتا تھا کہ کسی زمانے میں وہ کہیں کہیں سے بھرے جسم کا ہوگا لیکن وہ کمزور نہیں تھا، توانائی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وہ ایک عملی آدمی تھا جو خودنمائی کو جذبات بلکہ آرام وسکون پر بھی ترجیح دیتا تھا۔ اپنی ہتھیلیاں رگڑتا ہوا فیرارز اس کے ساتھ کھڑا ہوا خاصا احمق دکھائی دیتا تھا۔ یہ سردی سے زیادہ بے صبری تھی، یا پھر بے چین اعصاب کا نتیجہ، کھانا تیار تھا اور جھگڑا تھا کہ آنے کا

نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ سائمن سے بات چیت کرنے کے بعد فیرارز اس کے پاس ہی ٹھہر گیا تھا۔ اسے پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سائمن کو کوئی دیر پا نقصان نہیں پہنچا اور چند دنوں میں مرچ مصالحہ لگا کر وہ خود ہی اپنی کہانی کا مرکزی کردار بن جائے گا لیکن میجر نے بروقت پہنچ کر اصل کہانی سن لی تھی اور باغی اور دینگاس کی لاش منگوانے کے لئے آدمی بھیج چکا تھا۔

بوندا باندی شروع ہوگئی اور فرارز نے اپنے سر پر ٹوپی رکھ لی۔ میجر نے جو کھلی جگہ میں ہمیشہ ٹوپی پہنتا تھا اس پر سرسری سی نظر دوڑائی اور دوبارہ سڑک کو تکنے لگا۔

میجر کے دماغ میں ہندسے، منصوبے اور ہر قسم کے خطرناک اور شیطانی خواب گردش کر رہے تھے۔ اندرونی علاقوں میں آنے کے بعد پانچ دن سے بھی کم ہیں دشمن کی چھ لاشوں کے مقابلے میں وہ تقریباً دو درجن آدمی گنوا چکا تھا۔ اس نے ان چھ کی چھ لاشوں کا معائنہ کیا تھا اور ان سب کو نا قابل باز یافت طور پر اور بے فائدہ طور پر مردہ پا کر مشتعل ہو گیا تھا۔ شک وشبہ سے بالاتر ہونے کے لئے اس نے اپنی تلوار کا کونا ان میں سے ایک کی آنکھ میں چبھویا تھا، انڈے کی سفیدی کی طرح کی کوئی چیز باہر نکلی۔ اس نے مردہ آدمی کا کالر ایک طرف ہٹایا اور گردن کی ایک جانب زخم کا نشان دیکھا۔ وہ سب کے سب کسان تھے، ان کے پاؤں بڑے بڑے تھے اور ایڑیاں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کے اپنے آدمیوں کی لاشیں بھی زیادہ تر جوتوں کے بغیر واپس آئیں، بلکہ جب انہیں واپس لانے میں تھوڑی تاخیر ہو جاتی تو وہ قابل کراہت انداز میں برہنہ ہوتیں لیکن اس سے بڑھ کر قابل نفرت بات یہ تھی کہ ان دو درجن میں سے بہت سوں کے کان اور ناک غائب تھے، یا پھر ضروری ترین حصے بری طرح کٹے ہوئے تھے۔ چونکہ سب کے سب آدمیوں کو گولیوں سے ہلاک کیا گیا تھا، یہ اخذ کرنا پڑا کہ دشمن یہ گھناؤنا کھیل اضافی طور پر کھیل رہا ہے۔ ایک آدمی ایسا بھی تھا جو زندہ واپس آیا لیکن اس کے ہاتھ کلائیوں سے بڑی نفاست سے کاٹ دیئے گئے تھے۔ ڈاکٹر کی دواؤں کا اثر ہونے سے پہلے اس کی ہولناک چیخیں گونجتی رہیں اور اب وینیگاس کا سر کاٹ دیا گیا تھا۔ میجر نے اس سر کٹے فوجی کے متعلق سوچا جس کے پاس چیخنے کے لئے منہ بھی نہیں تھا۔

میجر نے سڑک پر آتے ہوئے چھکڑے کی طرف دیکھا جسے ایک مقامی بیل کھینچ رہا تھا۔ بیل کا سر ایک طرف سے دوسری طرف کو جھول رہا تھا۔ بیوقوف وینیگاس نے بھی

یقیناً اپنی گردن اسی طرح آگے کو نکالی ہو گی۔

فیرارز نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور ناک صاف کی۔ تدفین پر مامور دستہ اپنے بیلچوں پر جھکے ہوئے دو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے ماندگی سے چھکڑے کی طرف دیکھا۔ فیرارز نے جگہ تبدیل کی اور بے خیالی سے رومال تہہ کیا۔ قبر کھودنے والوں میں سے جو زیادہ لمبا تھا اس نے اپنا بیلچہ گیلی زمین سے باہر کھینچا جو ہلکی سی آواز کے ساتھ باہر آ گیا۔

ہلکی بارش میجر کی ٹوپی کے چمکیلے چھجے پر سے پھسلی اس نے ٹوپی اپنی آنکھوں پر تھوڑی سی جھکا لی، لہٰذا اب اسے افق خمیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس تعیناتی سے پہلے اکیڈمی میں لوگ کہا کرتے تھے کہ اس کی شخصیت میں ایک خاص جاذبیت ہے، عورتوں کے لئے لطیف حس مزاح اور مردانہ مباحثوں کے لئے حالات حاضرہ کا تباہ کن علم۔ لیکن بندوں سے بھرے ہوئے ان جزیروں میں میجر کو اپنی جاذبیت اور بذلہ سنجی دکھانے کے کم ہی مواقع ملے تھے۔ ان کی جنگ کی مختصر مدت میں اس صبح تک اسے اپنے جسم میں وہ سنسنی محسوس ہوئی تھی جو کسی بھی جنگ کے پہلے دن محسوس ہوتی ہے۔

وہ باغی سے ملنا اور ان کے پہلے زندہ قیدی کی موجودگی کی تصدیق خود کرنا چاہتا تھا۔ اگر سائمن کی اطلاع درست تھی تو دشمن فوج کا ایک افسران کے ہاتھ آ گیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ میجر مقامی عہدوں کو خاطر میں لاتا تھا، عین ممکن تھا وہ لڑکا کچھ کام کی باتیں بتا سکے۔

چھکڑا ان کے سامنے آ کر رکا اور میجر نے دشمن کو دیکھا۔ اس کا نوجوان چہرا مقامی لوگوں کی طرح سادہ تھا گالوں کی ہڈیاں اوپر کو اٹھی ہوئی ناک چپٹی اور جبڑا بڑا تھا۔ وہ ایک سپاٹ چہرا تھا جس نے میجر کو کچھ نہ بتایا۔ فیرارز نے چھکڑے میں پڑے ہوئے ٹوٹے پھوٹے جسم کو دیکھا اور اسے ایک اور چہرا نظر آیا۔ ایک ایسا چہرہ جسے بے دردی سے پیٹا گیا تھا۔ اس کے ہونٹ کٹے اور سوجے ہوئے تھے۔ ایک ٹوٹے ہوئے دانت کا نوکدار کونا کھلے منہ سے باہر جھانک رہا تھا۔ ایک گال سیاہ پڑ رہا تھا۔ یہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں، گندگی اور سیال .... خون، تھوک، کیچڑ اور بارش .... کا ملغوبہ تھا جیسے لڑکا رائفل کے بٹوں اور چمڑے کی ایڑیوں کے طوفان میں بغیر کسی حفاظت کے گھومتا رہا ہو۔ فیرارز نے ان آدمیوں پر نظر دوڑائی جو چھکڑے کے ساتھ گئے تھے۔ وہ کہیں اور دیکھ رہے تھے۔ کوئی

MashalBooks.com

بھی وینیگاس کی لاش یا سر جو بوری میں پڑے ہوئے تھے، لانے کے لئے نہیں جا رہا تھا۔

میجر نے لڑکے کی وردی کا جائزہ لیا جس پر نہ کوئی نام تھا اور نہ ہی عہدے کا نشان۔ میجر نے اندازہ لگایا کہ وہ لڑکا غالباً نائیک تھا اور اس کی عمر سولہ برس تھی .... دشمن ہر حربہ استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ لڑکے کے پاس کوئی آتشیں ہتھیار نہیں تھا۔ وہ بہت ہی غریب باغی تھا لیکن پھر بھی میجر نے اس کے لئے رحم یا ہمدردی کا جذبہ محسوس نہیں کیا۔

فیرارز کھانسا اور میجر نے اثبات میں سر ہلایا، ڈاکٹر نے لڑکے کی قمیص کھولی اور زخم کا معائنہ کیا۔ اس نے چھکڑے کے نگران سارجنٹ سے کچھ پوچھا جس نے جواب میں کندھے اچکائے۔ وہ لڑکے کے جسم پر جھکا اور اس کے دوسرے بازو پر ہاتھ پھیرا۔ وہاں کچھ نہ پا کر ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا کہ کسی فوجی نے انتقاماً اس لڑکے کا بازو کاٹ دیا ہے لیکن آستین کے باہر والے حصے پر زیادہ خون نہیں لگا ہوا تھا۔ فیرارز نے بازو جسم کے نیچے سے باہر نکالا بازو ٹوٹا ہوا تھا۔

لڑکے کو گولی لگی تھی، اس کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور اسے بے دردی سے پیٹا گیا تھا۔ فیرارز نے متوقع پیچیدگیوں اور اس جسم میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے متعلق سوچا۔ ہذیان کے دورے، گلتا سڑتا ہوا گوشت اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ لڑکے کی زندگی میں کوئی امید باقی نہیں بچی تھی۔ فیرارز قریب قریب افسردہ ہو گیا۔

''یہ نہیں بچے گا'' اس نے شائستگی سے ایک طرف ہوتے ہوئے میجر سے کہا اور دوبارہ رومال سے ناک صاف کی۔ موسم انتہائی خراب تھا لیکن اسے اپنی بھوری اونی جیکٹ کے اندر سردی نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے لڑکے کے، جو کسی طرح بھی چھکڑے کی سواری کے قابل نہیں لگتا تھا، متعلق سوچا کہ اس کا مزید ایک گھنٹے بچنا بھی مشکل ہے۔

میجر نے بغیر کچھ کہے بغور لڑکے کے جسم کی طرف دیکھا۔ فیرارز نے انگلی کے اشارے سے دونوں گورکنوں کو بلایا جو اپنے بیلچے پھینک کر دوڑے آئے۔ انہوں نے لڑکے کو پیروں سے پکڑ کر چھکڑے سے نیچے کھینچا، جب انہوں نے اسے ٹوٹے ہوئے بازو سے پکڑنے کی کوشش کی تو اس کا جسم ایک طرف کو لٹک گیا۔ فوجی ہنسنے لگے۔ وینیگاس کی کٹی ہوئی گردن نے ان کی طرف دیکھا جیسے ان کی ہنسی میں شریک ہونا چاہتی ہو۔ اب کوئی وینیگاس سے خوفزدہ نہیں تھا، انہوں نے اپنا خوف لڑکے پر اتار دیا تھا۔ فیرارز نے ہاتھ بڑھا کر بوری کا منہ کھولا اور اس کے اندر جھانکا، مسکراہٹیں غائب ہو گئیں اور ہر شخص

نے اپنے دل میں ڈاکٹر سے التجا کی کہ سر کو وہیں پڑا رہنے دے جہاں وہ تھا۔ فیرارز کو صرف پیشہ وارانہ تجسس تھا۔ وہ اس سے پہلے لاشوں پر ہر قسم کے تجربے کر چکا تھا لیکن کبھی اتنے فیصلہ کن انداز میں نہیں۔

''اسے زندہ کرو'' میجر نے کہا۔

فیرارز کو فوراً احساس ہو گیا کہ میجر ویٹیگاس کی بات نہیں کر رہا۔ لڑکے کو بچانا قریب قریب ناممکن تھا، لیکن میجر تو پہلے ہی اپنے آدمیوں کو سٹیچر لانے کا حکم دے چکا تھا۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ سٹیچر کی ضرورت پڑے گی۔

فیرارز چھکڑے کے قریب کھڑا تھا اور لڑکا اس کے قدموں میں پڑا تھا۔

''میں اسے نہیں بچا سکتا'' اس نے کہا۔

''کوشش کرو فیرارز۔ اس سے تمہارا فائدہ ہوگا۔''

''میں تمہیں بتا رہا ہوں، یہ لڑکا..........''

''جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو!'' میجر چلایا۔

فیرراز بھی غصے سے کانپنے لگا لیکن میجر دوبارہ سے اس کے پاس آیا اور زیادہ دھیمی آواز میں بات کی۔

''اسے بچاؤ۔ یہ لڑکا ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اسے بچانے میں میری مدد کرو۔''

یہ درست تھا۔ فیرارز نے اپنا غصہ کم کرنے کے لئے ٹھنڈی سانس بھری اور کام کی مشکلات کے متعلق سوچ بچار کرنے لگا۔

بستر پر تین دن گزارنے کے بعد لڑکا ہوش میں آ گیا اور چیخنے چلانے لگا۔ یہ خبر سنتے ہی فیرارز دوڑا دوڑا خیمے میں واپس آیا۔ اس نے لڑکے کو اپنے خیمے میں منتقل کرنے پر اصرار کیا تھا۔ اسے اس بات کا پورا یقین تھا کہ تندرست ہونے کے بعد لڑکے سے اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ وہ لڑکا دشمن تھا، اس نے ان کے ایک فوجی کو ہلاک کیا تھا۔ وہ اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کا علاج اور تیمارداری اتنے شاہانہ انداز میں کی جائیں میجر نے فیرارز کی تجویز مان لی تھی لیکن اس کے خیمے کے گرد پہرے دار مامور کر دیئے تھے۔

فیرارز نے تین دن تک دیوانہ وار کام کیا۔ وہ لڑکے کے زخم دھوتا اور ان پر مرہم پٹی کرتا، بازو کو صحیح جگہ پر جماتا اور سوجن پر ٹھنڈی پٹیاں رکھتا۔ اس نے پھپھوندی لگے ہوئے بکسوں سے اپنی کتابیں نکالیں، ان پر سے گرد جھاڑی اور مریض کو تندرست

کرنے کے جذبے کو دوبارہ زندہ کیا۔ جب اس کا کام مکمل ہوگیا تو اس کے پاس لڑکے کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔ یونیورسٹی میں داخل ہونے کے بعد سے اس نے خود کو کبھی اتنا ایماندار آدمی نہیں محسوس کیا تھا۔

بہت جلد لڑکے کی ملاقات میجر سے ہونیوالی تھی۔ فیرارز کو خود بھی قطعی طور پر لڑکے کے بارے میں میجر کے منصوبوں کا علم نہیں تھا۔ یقیناً لڑکا کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا لیکن اس نے ان کے ایک فوجی کو ہلاک کیا تھا اور وہ بھی بہت ہولناک طریقے سے وہ حیوانی عمل تھا، کسی بھی طرح جنگی فعل نہیں۔ بلاشک وشبہ لڑکے کو ویینگاس سے اپنا تحفظ کرنے کی ضرور پڑسکتی تھی۔ شاید لڑکے کو یرغمال بنالیا جائے، ہاں شاید میجر نے ایسا بھی سوچا ہو۔ شاید لڑکے کا تبادلہ ان کے کسی گمشدہ فوجی سے کرلیا جائے۔ فیرارز نے خود کو اپنی سوچوں میں لڑکے کی زندگی کی بھیک مانگتے ہوئے پایا اور اسے اپنی امیدوں پر، جو آندھی میں پتوں کی مانند تھیں، افسوس ہوا۔

اس کا نام میکاریگ تھا اور عمر پندرہ سال تھی۔ اس کے بارے میں بس یہی کچھ پتا چلا تھا۔ وہ آزادی کی فوج میں سپاہی تھا۔ اس نے اپنی وردی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کسی رشتہ دار کی تھی جو غالباً کپتان تھا، وہ پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اوپر پہاڑوں میں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے بہت سردی تھی۔ اس رات انہوں نے اسے لکڑیاں لینے بھیجا تھا۔ وہ قمیض اس نے ادھار مانگی تھی کیونکہ اس کا کپڑا موٹا تھا۔ وہ راستہ بھول گیا تھا۔ کیسے؟ میکاریگ نے یاد کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ پہلے سوال آسان تھے۔ اس کے اعصاب تن گئے اور اس نے سانس لینے کی کوشش کی۔ اس کے سینے میں درد کی لہر دوڑ گئیں اسے اپنا بایاں پہلو بھی اصل سے تین گنا بڑا محسوس ہورہا تھا۔ الفاظ اس کے ہونٹوں سے، جنہیں وہ بمشکل علیحدہ کرسکتا تھا۔ پھسلتے تھے اور وہ بھی بڑی تکلیف کے ساتھ، وہ مجسم درد تھا۔ اس پر بھی وہ آدمی اس سے توقع کررہا تھا کہ وہ سوچے۔

اس آدمی کی ڈاڑھی مضحکہ خیز تھی لیکن میکاریگ ہنس نہیں سکتا تھا۔ اس آدمی نے اسے چمچہ چمچہ کرکے پیالے سے سوپ پلایا تھا۔ اسے صرف نمک کا ذائقہ محسوس ہوتا لیکن حلق سے اترنے کے بعد اس کی حدت اچھی لگتی۔

اس آدمی کی آواز خیمے کے باہر سے آنے والی دوسری آوازوں سے مختلف تھی۔ اس آدمی کی آواز ٹھوس تھی اور اس کا لہجہ کرخت تھا لیکن لڑکا اس آواز کا عادی ہوچکا تھا وہ

MashalBooks.com

آوازرات کواس سے باتیں کرتی اورلوری دے کرسلاتی۔

اس نے جگنوؤں کو درختوں میں دیکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھے۔ وہ کسی خواب کی مانند تھے جب آپ انہیں چھونے کی کوشش کرتے تو وہ ہنستے ہوئے آپ کا ساتھ چھوڑ جاتے اور جب میکا ریگ نے یہ یاد کیا تو وہ مسکرانا چاہتا تھالیکن درد کی وجہ سے ایسا نہ کرسکا۔

خیمے کا دروازہ پھڑ پھڑاتا ہوا کھلا اورلڑکے نے، جواسی طرف دیکھ رہا تھا، چیخنا چلانا شروع کردیا۔

میجر نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور فیرارز سے، جس نے ابھی تک پیالہ اور چمچ پکڑے ہوئے تھے، مخاطب ہوا۔ فیرارز کی گود میں سوپ کے قطرے گرے۔

''کیا یہ کتا تندرست ہوگیا ہے؟''

''تھوڑا تھوڑا'' فیرارز اپنی گود صاف کرتے ہوئے بڑبڑایا۔''ابھی ہل نہیں سکتا۔''

''کھا چکا ہے'' میجر نے کہا۔میجر نے گھڑسواری والے چابک کے ڈنڈے سے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

''تم نے ہی مجھے اس کی دیکھ بھال کے لئے کہا تھا'' فیرارز نے ناراض نظر آنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ لڑکا ہمیں بچائے گا'' میجر نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''یہ مجھے پہلے ہی بچا چکا ہے!''

میجر نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ضرورت سے زیادہ بیوقوف مت بنو۔''

آنسو میکا ریگ کے گالوں سے بہہ رہے تھے۔میجر اچانک اس کی طرف مڑا اور ڈنڈا اس کے ناک پر دے مارا۔ میکا ریگ اپنا منہ کھولنا چاہتا تھالیکن درد کی وجہ سے ایسا نہ کرسکا۔

''کیا تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے؟ کیا تم بول سکتے ہو؟ کیا ہم بولنے میں تمہاری مدد کریں؟''

میکا ریگ کی آنکھیں اوپر کی طرف گھومیں۔ میجر ڈنڈا اس کے حلق کے اندر

گھسیٹ رہا تھا۔ میکاریگ نے خون اور سوپ کی قے کر دی۔

فیرارز اپنا چہرہ ہتھیلیوں میں چھپائے سسکیاں لے رہا تھا اور منہ ہی منہ میں دعا مانگ رہا تھا۔

''تم نے قے کی'' میجر نے لڑکے پر الزام لگایا۔ ''حرام زادے تم نے مجھ پر قے کی۔''

''بہت کم عمر ہے۔ میجر! خدا کے واسطے۔ بھٹک گیا ہے۔ اسے معاف کر............''

میجر نے ڈنڈے کا سرا لڑکے کے زخم پر رکھ دیا۔

''دفع ہو جاؤ فیرارز''۔

''یہ کچھ نہیں جانتا بیوقوف!''

''دفع ہو جاؤ'' میجر نے کہا، ''ورنہ تم خواہش کرو گے کہ تم نے اس لڑکے کو کبھی نہ دیکھا ہوتا۔''

''تم اسے مار ڈالو گے'' فیرارز باہر جاتے ہوئے جھینکا۔

ڈاکٹر کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ بارش ہو رہی تھی اور فوجی اپنے گھوڑوں کو تیزی سے محفوظ مقامات پر لا رہے تھے۔ ایک گھڑ سوار فیرارز کے پاس سے گزرا اور اسے کیچڑ میں لت پت کر دیا۔

''معافی چاہتا ہوں'' فیرارز نے کہا۔

حیرت زدہ سوار نے گھوڑے کی رفتار آہستہ کر لی۔

شور و غل میں سے ایک چیخ بلند ہوئی اور سوار نے اپنا گھوڑا تیزی سے آگے بڑھایا جیسے چیخ کے پہنچنے سے پہلے فرار ہونا چاہتا ہو۔

''معافی چاہتا ہوں'' فیرارز نے ایک مرتبہ پھر کہا۔

MashalBooks.com

بی ای داؤ (چین)

بی ای داؤ (شمالی جزیرہ) زاؤ زینکاتی کا قلمی نام ہے۔ ان کا شمار ہم عصر چینی ادب کے سب سے معقول اور آزاد خیال ادیبوں میں ہوتا ہے۔ وہ 1949ء میں بیجنگ میں پیدا ہوئے اور فورتھ مڈل سکول میں تعلیم حاصل کی، جو اس وقت چین کا سب سے عمدہ ابتدائی سکول سمجھا جاتا تھا۔ جب ثقافتی انقلاب نے ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیا تو انہوں نے ریڈ گارڈ تحریک میں شمولیت اختیار کر لی مگر جلد ہی ناامیدی کے عالم میں اس سے علیحدہ ہو گئے۔ 1970ء میں انہوں نے چین کے بہت سے ساحلی اور وسطی علاقوں کا دورہ کیا۔ بی داؤ نے اسی دور میں لکھنا شروع کیا اور پہلی مرتبہ 1972ء میں شائع ہوئے انہوں نے 1976ء میں تھیان مین چوک کے مظاہرے میں حصہ لیا اور دو سال کے اندر اندر ایک بااثر لیکن قلیل الحیات رسالے ''آج'' کے شریک مدیر کی حیثیت سے تحریک جمہوریت کے مرکزی کردار گئے۔ اس کے بعد وہ ایک قومی ادبی شخصیت بن کر ابھرے۔ بہر حال ان کی شہرت، ان کی شاعری اور افسانوی ادب دونوں کے ذریعہ ہی منصفانہ طور پر مستحکم ہوئی۔ ان کی شاعری جو ''پرچھائیوں کی شاعری'' کہلاتی ہے، اپنے تجریدی عنصر کی وجہ سے مشہور ہے۔ سیاسی طور پر متنازعہ ہونے کے باوجود بی داؤ کے خیالات خواہ وہ شاعرانہ ہوں یا افسانوی، کسی قسم کی پیچیدگی سے عاری ہیں ''13 پپی نس سٹریٹ'' اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کافکا کے انداز میں لکھے گئے اس افسانے کا بنیادی موضوع روزمرہ کی چینی زندگی پر افسر شاہی کا غلبہ ہے۔ بی داؤ کے افسانوں کا مجموعہ ''لہریں'' 1987ء میں شائع ہوا۔ آج کل وہ سٹاک ہوم رہتے ہیں۔

MashalBooks.com

13- پیپی نس سٹریٹ

خزاں کے آخری دنوں کی ایک صبح۔گلی اجاڑ اور سنسان تھی۔ ہوا کے جھونکے نے سوکھے ہوئے زرد پتے فٹ پاتھ پر بکھیر دیئے۔آئس کریم بیچتی ہوئی بوڑھی عورت کی اداس اور بیزار کن صدا دور تک سنائی دیتی تھی۔ فانگ چینگ نے اپنا پرانا سیاہ اونی کوٹ اپنے گرد سختی سے لپیٹ لیا اور زمین پر پڑے ہوئے ایک پتھر کو ٹھوکر لگائی۔ابھی ابھی اسے اپنی بہن کا بہت ہی حیران کن فون آیا تھا نوعمر۔جن، گزشتہ سہ پہر اسی گلی میں پتنگ بازی کرتے ہوئے یک دم بغیر کوئی نشان چھوڑے غائب ہو گیا تھا۔اس کی بہن کی سسکیوں اور اس کے بعد لائن کٹنے کی آواز نے اسے اتنا پریشان کر دیا تھا کہ اس کا سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔اس وقت اس کے شعبے کا انچارج من اس کے سامنے بیٹھا تھا لہٰذا اس نے ریسیور رکھ دیا تھا اور نارمل نظر آنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔

سڑک کی دوسری طرف ببول کے درختوں کی ایک قطار کو جڑوں تک کاٹ دیا گیا تھا اور ان کے تنے فٹ پاتھ پر پڑے تھے۔سڑک کے کنارے وزن اٹھانے والا ایک پیلا جاپانی کھڑا تھا۔ چار پانچ مزدور کٹے ہوئے درختوں کے لٹھے ایک بڑے ٹرک پر لادنے میں مصروف تھے۔

فانگ چینگ آئس کریم بیچتی ہوئی بڑھیا کے قریب گیا ''ببول کے اتنے خوبصورت درخت کیوں......''

آئس کریم، تین سینٹ پانچ سینٹ'' بڑھیا نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اپنی صدا جاری رکھی۔

''کامریڈ''

بڑھیا کی کرخت آواز نے اس سے اپنا سوال دہرانے کی ہمت چھین لی۔ایک نوجوان جو حلیے سے ڈرائیور لگتا تھا ٹرک کے اگلے حصے کے ساتھ ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔

MashalBooks.com

''معاف کیجئے گا یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''کیا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں؟''

''میرا مطلب ہے آپ ان درختوں کو کیوں کاٹ رہے ہیں؟''

''تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہوے جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑا رہے ہو؟ کیا تم مکان بنا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ ہم تمہیں چھت کے شہتیر کے لئے ایک تنا دے دیں؟ میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ میں خود اپنے لئے بھی ایک تنا نہیں لے سکتا'' سگریٹ کا فلٹر پھینکتے ہوئے ڈرائیور مڑا اور ٹرک میں سوار ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

فانگ چینگ ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔ درمیانی عمر کی ایک خاتون قریب سے گزر رہی تھی وہ اس کے برابر پہنچا ''معاف کیجئے آپ نے یہ شلجم کہاں سے خریدے ہیں؟''

''اس طرف والی سبزی کی دکان سے''

''اچھا'' وہ شائستگی سے مسکرایا اور چند قدم تک اس کے ساتھ چلتا رہا'' یہ درخت کیوں کاٹ دیئے گئے ہیں؟ کتنے افسوس کی بات ہے''

''کون جانے؟ میں نے سنا ہے کہ کل ان درختوں میں ایک پتنگ پھنس گئی تھی اور کوئی شریر لڑکا اسے اتارنے کے لئے اوپر چڑھ گیا تھا............'' وہ یک دم خاموش ہو گئی اور گھبراہٹ کے عالم میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی۔

فانگ چینگ واپس گھوما۔ چمڑے کی جیکٹ میں ملبوس ایک شخص نے اپنی آنکھوں پر سے فوجیوں والی سبز ٹوپی ہٹائی اسے گھورا اور چلتا ہوا قریب سے گزر گیا۔

اچانک فانگ چینگ کی نظر گرے ہوئے ببول کے درخت کے پیچھے ایک اونچی بیرونی دیوار پر پڑی جس کا پلستر پرانا ہونے کی وجہ سے کئی جگہوں سے اتر چکا تھا۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا اور ببول کی لکڑی کی مہک دار خوشبو کے ساتھ ملے ہوئے پٹرول کے دھوئیں کو اندر لے گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ واپس چلنے لگا۔ جلد ہی وہ ایک بڑے دروازے تک پہنچا جس کی حفاظت پتھر کے دو شیر کر رہے تھے۔ دروازے کا لال رنگ اڑ چکا تھا اور اس پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی، جیسے اسے کافی لمبے عرصے سے کھولا نہ گیا ہو۔ اس پر بہت معمولی سے تختی لگی ہوئی تھی جس پر ''13 پیپی نس سٹریٹ'' لکھا ہوا تھا، اس کے نیچے زردی مائل سفید رنگ کی گھنٹی تھی۔ فانگ چینگ نے اسے دبایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، بغور معائنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ پلاسٹک کے ایک ہی ٹکرے سے ڈھالی گئی تھی اور محض

آرائشی تھی وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں وہاں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ جیسے ہی فانگ چینگ کے دروازے کا زیادہ بہتر جائزہ لینے کے لئے چند قدم پیچھے ہٹا وہ پاس سے گزرتے ہوئے ایک بوڑھے سے جاٹکرایا۔

''بہت معذرت۔ معاف کیجئے گا یہاں کون رہتا ہے؟''

وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ بوڑھے کی آنکھوں کی گہرائیوں میں سے امڈنے والی دہشت سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بوڑھا شخص لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ایک نوعمر لڑکا جو اپنے جیبی چاقو سے ببول کے درخت کی شاخ چھیلنے میں مگن تھا اس کے قریب سے گزرا۔

''نوجوان بات سنو محلّہ کمیٹی کا دفتر کہاں ہے۔''

''اس والی گلی میں''لڑکے نے شاخ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

تنگ گلی گھٹیا اور عارضی نوعیت کے مکانوں کے درمیان سے اپنا راستہ بناتی تھی۔ فانک چینگ کو اپنے اوورکوٹ کو باہر نکلے ہوئے کیلوں اور تختوں میں پھنسنے اور پھٹنے سے بچانے کے لئے ہر تھوڑی دیر بعد ایک طرف کو ہو کر چلنا پڑتا تھا۔ گلی کے دوسرے کونے پر واقع ایک قدرے کشادہ احاطے کی دہلیز پر دو سائن بورڈ ساتھ ساتھ لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک محلّہ کمیٹی کا جب کہ دوسرا ریڈ میڈیکل سٹیشن کا تھا۔ دونوں سائن بورڈ بچوں کی کیچڑ سے لتھڑی ہوئی انگلیوں کے نشانات سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اس نے احاطے کے شمالی جانب واقع کمرے کا دروازہ ہلکا سا دھکا دے کر کھولا اور اپنا سر اندر گھسیڑ دیا۔

''کیا تم سرٹیفکیٹ لائے ہو؟''سوئٹر بننے میں مصروف ایک لڑکی نے پوچھا۔

''کیسا سرٹیفکیٹ؟''

''ڈیتھ سرٹیفکیٹ''لڑکی نے فوراً کہا۔

کمرے کی ہر شے سفید تھی چادر، فولڈنگ سکرین، میز، کرسیاں اور لڑکی کا لبارٹری میں پہننے والا کوٹ اور سفید چہرا بھی۔

''نہیں نہیں میں تو............''فان چینگ نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

''سنو سرٹیفکیٹ پر ہماری مہر کے بغیر تمہیں کوئی بھی مردے کو دفنانے کی اجازت نہیں دے گا''

''میں کسی کو ڈھونڈ رہا ہوں''

MashalBooks.com

''کسی کو ڈھونڈ رہے ہو؟'' اس نے بننے والی ایک سلائی سے اپنے سر کے بال پیچھے اٹھاتے ہوئے حیرانی کے عالم میں اوپر دیکھا۔ کیا تمہیں اس کا صحیح طریقہ نہیں معلوم؟''

''کیا کیا یہ محلّہ کمیٹی کا............''

''یہ ریڈ میڈیکل سٹیشن ہے''۔

واپس احاطے میں آئے ہوئے فانگ چینگ نے جنوبی سمت میں واقع کمرے میں لوگوں کا ہجوم دیکھا وہ اس طرف گیا اور دروازے پر دستک دی۔

''اندر آجاؤ ایک آواز آئی۔''

اندر تقریباً ایک درجن لوگ ایک لمبی چوبی میز کے گرد بیٹھے اسے خاموشی سے گھور رہے تھے۔ کمرے کے اندر روشنی اس قدر مدھم تھی کہ وہ ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا مگر ان کی بھاری خرخراہٹ سے پتا چلتا تھا کہ ان میں سے زیادہ تر بوڑھی عورتیں ہیں۔

''کیا اس پر مہر لگ گئی ہے؟'' میز کے دوسرے کونے پر بیٹھی ہوئی ایک عورت نے سوال کیا۔ اپنی آواز سے وہ خاصی جوان لگتی تھی وہ صدر محفل یا اسی قسم کی کوئی چیز تھی۔

''نہیں میں............''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں اور سانس لے رہے ہیں'' اس نے فانگ چینگ کی بات کاٹی سب اونچی آواز میں ہنسنے لگیں۔

''میں اخباری نمائندہ ہوں'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

کمرے میں یک دم موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ انہوں نے احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے انہیں اس کی بات کا یقین نہ ہو۔ صدر محفل نے سب سے پہلے سکوت توڑا ''تمہارا کارڈ''

فانگ چینگ نے ابھی بمشکل اپنا پریس کارڈ نکالا ہی تھا کہ دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے شخص نے وہ اس سے اچک لیا۔ کارڈ جو سرخ پلاسٹک کور میں تھا باری باری میز کے گرد بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو دیا گیا، تاکہ وہ اسے دیکھ سکیں اور تبصرہ کرسکیں۔ بالآخر کارڈ صدر محفل تک پہنچا اس نے کارڈ کا بغور مطالعہ کیا اور پھر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے بوڑھے شخص سے اسے اونچی آواز میں پڑھنے کے لئے کہا۔

''اچھا کیا آپ تصویریں کھینچنے آئے ہیں؟''

کمرے میں سنسنی آمیز افراتفری پھیل گئی ۔ بے رونق آنکھیں چمکنے لگیں لوگ ایک دوسرے کوٹھوکے دینے لگے، اور ایک بوڑھی عورت جو میز پر سر رکھے سو رہی تھی بیدار ہوگئی ۔ ایسا لگتا کہ بالآخر کوئی ایسی چیز ہونے لگی ہے جس کا وہ تمام زندگی سے انتظار کر رہے تھے ۔

''آپ اس وقت ہماری تصویر کھینچ سکتے ہیں ۔ ہم اپنے سیاسی مطالعے کے درمیان میں ہیں'' صدر محفل نے بارعب انداز میں کہا ''سب سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں اور کوئی کیمرے کی طرف نہ دیکھے!''

وہ سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے ۔ جیسے ہی انہوں نے میز پر پڑے ہوئے اخبارات اٹھائے خاصی اونچی سرسراہٹ پیدا ہوئی ۔

''ٹھہریئے میں اپنا کیمرہ نہیں لایا ۔ میں کسی اور کام کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ 13 پیپی نس سٹریٹ میں کون رہتا ہے؟''

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' صدر محفل نے جو واضح طور پر خاصی مشتعل تھی کہا ۔

''آپ نے مجھے موقع ہی نہیں دیا............''

''اچھا ٹھیک ہے تم کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''13 پیپی نس سٹریٹ کے متعلق............''

''کسی جیتے جاگتے شخص کے بارے میں؟ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے چلو اپنا راستہ ناپو اور آئندہ ہمیں پریشان نہ کرنا''

''تو پھر یہ کس کا مسئلہ ہے''

''خاموش! چلو میٹنگ دوبارہ شروع کریں ہم کہاں تھے؟ ہاں ڈمب چن والے مسئلے پر''

فانگ چینگ کھڑا ان کی گفتگو سنتا رہا ۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا اور ان کی آوازیں اونچی ہوتی چلی گئیں ۔ اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ باہر کھسک آیا ۔ احاطے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے سکون کا سانس لیا ۔

ایک اور احاطے میں عمارتیں گرائی جا رہی تھیں اور گرد کے بادل اٹھ رہے تھے ۔ بچوں کا ایک ہجوم دہلیز کے قریب جمع اندر جھانک رہا تھا ۔ کام میں مصروف مزدور

MashalBooks.com

آپس میں بات چیت کر رہے تھے ملبے کے ڈھیر کے درمیان ایک کنواں نما عمارت زیر تعمیر تھی۔

''یہ کون سی جگہ ہے'' فانگ چینگ نے بچوں سے پوچھا۔

''مقامی ہاؤسنگ اتھارٹی'' ایک چھوٹی بچی نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

چونے کے ایک ڈھیر سے پھلانگتے ہوئے فانگ چینگ ایک نوجوان سے جا ٹکرایا جس نے سیمنٹ کی بالٹی اٹھائی ہوئی تھی ''میں اخباری نمائندہ ہوں تمہارا فورمین کہاں ہے؟''

''وانگ............''

''کیا بات ہے؟'' ایک مچان میں سے وانگ کا سر نمودار ہوا

''پھر سے اخبار والا ہے''

وانگ پھرتی سے نیچے اترا اور اپنی آستین سے اپنا ماتھا اور پٹھے دار گردن صاف کرتے ہوئے اپنا بیلچہ نیچے رکھ دیا ''تم صحیح جگہ پہنچے ہو ہم پہلی مرتبہ یہ مخصوص اختراع کر رہے ہیں۔

''اختراع؟''

''تم یہاں شاید اس لئے آئے ہو کہ افسر خود اپنے ہاتھ سے مزدوری کر رہے ہیں۔تمہارا اخبار یہ خبر پہلے ہی چھ سات مرتبہ شائع کر چکا ہے اور ہر مرتبہ اگر کوئی چیز تبدیل ہوتی ہے تو وہ میرا نام ہے۔اگر تم لوگ ایسا ہی کرتے رہے تو بہت جلد میرے لئے یہ پتا چلانا مشکل ہو جائے گا کہ مجھے کیا کہتے ہیں۔ذرا اس کام پر نظر ڈالو تمہارا کیا خیال ہے؟''

''یہ اصل میں ہے کیا؟''

بلا شک وشبہ یہ ایک مکان ہے بالکل نئے انداز کا''

''لگتا تو یہ............'' وہ ''مقبرہ'' کہتے کہتے رک گیا۔

''مورچے جیسا ہے یہی نا؟ مگر اس کے اطراف میں جھانکنے کے لئے سوراخ نہیں ہیں......''

''اس کی کھڑکیاں کہاں ہیں؟''

''وہ سب کی سب چھت میں ہوں گی'' جیسے ہی وانگ نے مسرت سے اپنے ہاتھ ملے ان سے کیچڑ کی چھوٹی چھوٹی گولیاں گرنے لگیں ''یہ مکان جنگ کی صورت میں

مثالی ہیں چوراس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ آپ کو آندھی اور سردی دونوں سے محفوظ رکھتا ہے۔اس کے بے شمار فائدے ہیں فن تعمیر کا یہ انداز ہم نے اپنے جد امجد سے سیکھا ہے''

''ہمارے غاروں میں رہنے والے جد امجد!'' فانگ چینگ طنزیہ انداز میں مسکرایا

''حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے مکان سستے ہیں اور درجنوں کی تعداد میں پہلے سے تیار شدہ مسالے سے بنائے جا سکتے ہیں۔ انہیں بنانا مرغیوں کے ڈربے بنانے سے زیادہ آسان ہے اور یہ مورچے سے زیادہ مضبوط ہیں اگر یہ کامیاب ہو گئے تو ہم دونوں مشہور ہو جائیں گے۔ مجھے نیا گھر مل جائے گا اور میں دفتر میں آرام دہ کرسی پر بیٹھا کروں گا۔مگران میں سے کوئی بات اپنی خبر میں مت شامل کرنا، ادھر آؤ ذرا''

''ٹھیک ہے وہاں جا کر بھی دیکھ لیتا ہوں''

''اگر تم وہاں جا ہی رہے ہوتو ہمارا ایک چھوٹا سا کام بھی کر دو یہ نقشہ اپنے ساتھ لیتے جاؤ اور اسے ڈائریکٹر کو دے دینا۔ہم تمہیں لے جانے کے لئے سائیکل رکشہ منگوا لیتے ہیں''۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں بہرحال بہت بہت شکریہ''

''اس مرتبہ دھیان رہے کہ میرا درست نام شائع ہو'' وانگ نے اسے پیچھے سے آواز دی۔

فانگ چینگ ڈگمگاتا ہوا باہر آیا اور سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر آسمان کو گھورنے لگا۔

سیکرٹری اپنی جوتی کی ہیل کھڑکاتی ہوئی دروازے کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔

''کامریڈ رپورٹر، ڈائریکٹر ڈنگ آپ سے ملنے میں بہت خوشی محسوس کریں گے اگر آپ کے پاس وقت ہوتو دوسرے سترہ ڈائریکٹر بھی آپ سے بات چیت کرنا پسند کریں گے''۔

''ڈائریکٹر ما آپ کو انقلابی جانشینی کے متعلق اپنے خیالات سے آگاہ کرنا پسند کریں گے ڈائریکٹر تیان آپ کو اپنے جنگی کارناموں کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں۔ ڈائریکٹر وانگ چینی حروف تہجی کی تسہیل پر گفتگو کرنا پسند کریں گے۔''

''ان میں سے اصل ڈائریکٹر کون ہے؟''

''یہاں ہم ڈائریکٹر اور اسسٹنٹ ڈائریکٹروں کے درمیان امتیاز نہیں کرتے اور سب کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے درج کرتے ہیں''

''معاف کیجئے گا میرے پاس وقت ذرا کم ہے میں یہاں کسی اور کام کے سلسلے میں آیا ہوں لیکن سب ڈائریکٹروں کو یہ کس طرح پتا چلا کہ میں یہاں موجود ہوں؟''

''وہ سب ابھی ابھی بورڈ کے اجلاس میں اکٹھے تھے''

''تو کیا میں اجلاس میں مخل ہو رہا ہوں''

''ایسا سوچئے گا بھی مت، اجلاس پہلے ہی نو دن سے جاری ہے وہ تو اس التوا پر بہت خوش ہیں''

ڈائریکٹر کے دفتر کی فضا دھوئیں سے بوجھل تھی کانفرنس ٹیبل کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک فربہ بوڑھے شخص نے پرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ فانگ چینگ کی طرف بڑھایا۔ ''خوش آمدید، تشریف رکھئے، اس دھوئیں کو دیکھیے یہ اجتماعی قتل کی ایک شکل ہے............''

''کیا؟''

ڈائریکٹر ڈنگ نے دھوئیں کے بادل منتشر کرنے کے لئے اپنے ہاتھ ہوا میں ادھر ادھر ہلائے ''میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اب تک صرف اپنی رجائیت پسندی کی وجہ سے زندہ ہوں۔ کیا آپ اینلی ین نامی دوائی کے متعلق کچھ جانتے ہیں؟''

''نہیں''

''یہ بیرون ملک دل کے مریضوں کو دی جانے والی معجزاتی دوا ہے کیا آپ کا اخبار آپ کو کبھی بیرون ملک بھیجے گا؟''

''اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے''

''تو پھر کیا آپ کسی کو کہہ کر یہ دوائی منگوانے میں میری مدد کر سکتے ہیں؟''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گا، کیا آپ کو دل کا عارضہ ہے؟''

ڈائریکٹر یک دم افسردہ نظر آنے لگا۔ میں بوڑھا آدمی ہو، ہوسکتا ہے جب آپ اگلی مرتبہ یہاں آئیں تو ڈائریکٹر ما میری کرسی پر بیٹھے ہوں۔'' اس نے اپنا گلا صاف کیا'' مگر ہم زیر بحث معاملے کی طرف واپس آتے ہیں۔ اہم سیاسی معرکے اہم تبدیلیاں لاتے ہیں اور اہم تبدیلیاں مزید سیاسی معرکوں کو پروان چڑھاتی ہیں۔ موجودہ سہ ماہی میں ہم

نے اپنے منصوبے کا 58 فیصد کام مکمل کر لیا ہے۔ پچھلے سال اسی عرصے کے مقابلے میں یہ............''

''معاف کیجئے گا ڈائریکٹر ڈنگ میں یہاں کسی خبر کے سلسلے میں نہیں آیا''

''اچھا''

''میں ایک مکان کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مکان نمبر 13 پیپی نس سٹریٹ میں کون رہتا ہے؟''

ڈنگ کے چمک دار سرخ چہرے پر پسینے کے موتی نمودار ہوئے۔ اس نے رومال نکال کر اپنا چہرہ پونچھا ''تم کہیں مجھ سے کوئی مشکل سوال کر کے مجھے الجھانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟ مجھے اتنے بڑے شہر کی ہر گلی کے ہر مکان کے متعلق زبانی کس طرح پتا ہوسکتا ہے؟

''میں نے سنا ہے کہ آپکے دفتر میں ایک بڑا نقشہ ہے............''

''ہاں ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا'' اپنی جیب میں ایک چھوٹی شیشی ٹٹولتے ہوئے اس نے چند گولیاں باہر نکالیں اور تیزی سے اپنے منہ میں ڈال لیں ''مرغی کے خون والے علاج کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں نے اسے نہیں آزمایا''

اس نے اپنی میز پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور دیوار پر لٹکے ہوئے سرخ پردے اطراف کو سرک گئے۔ اس نے ایک چھڑی اٹھائی اور اسے پوری قوت سے ہوا میں گھماتا ہوا نقشے تک پہنچا ''ہاتھ گھمانے والے علاج کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''مجھے یقین ہے یہ فائدہ مند ہوگا''

''ہاں یہ خاصا موثر ہے۔ پیپی نس سٹریٹ مکان نمبر 30 کوئلے کا ڈپو''

''میں مکان نمبر 13 کے متعلق جاننا ہوں''

''13---13 میرے دوست آ کر خود ہی دیکھ لو''

وہاں کچھ درج نہیں تھا۔

''یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ یہاں کچھ تحریر نہیں ہے'' فانگ چینگ نے حیرت سے پوچھا۔ ڈائریکٹر ڈنگ نے اسے کندھے پر تھپتھپایا ''دھیان سے دیکھو اس نقشے میں بہت سے خالی جگہیں ہیں کوئی نہیں جانتا کہ یہ جگہیں کیا ہیں''

’’کوئی بھی نہیں‘‘

’’اس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے طب کے متعلق ہماری معلومات نامکمل ہیں‘‘

’’کیا پبلک سکیورٹی بیوروو الے بھی نہیں جانتے ؟‘‘

’’تم خود جا کر کیوں نہیں معلوم کر لیتے۔ ان کا دفتر بالکل سامنے ہے۔ حرکت قلب منضبط رکھنے والے آلات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ قابل اعتبار ہوتے ہیں؟‘‘

’’حرکت قلب منضبط رکھنے والے آلات؟ میں ان کے متعلق زیادہ نہیں جانتا‘‘ فانگ چینگ نے اپنی جیبوں میں ہاتھ مارا اور نقشہ باہر نکال لیا ’’آج صبح میں مقامی ہاؤسنگ اتھارٹی گیا تھا۔ فورمن وانگ نے مجھے یہ نقشہ آپ کو دینے کے لئے کہا تھا یہ وہ اختراع جس پر وہ کام کر رہے ہیں‘‘

’’وہ شخص اپنا فائدہ حاصل کرنے کے معاملے میں بہت تیز ہے۔ کسی جادوگر کی طرح اس کے پاس ہمیشہ کوئی نہ کوئی نیا منصوبہ ہوتا ہے۔ ابھی ہمارے پاس بہت سا ضروری کام کرنے کے لئے وقت نہیں ہے‘‘ ڈنگ نے بھنوئیں چڑھائیں نقشہ لپیٹا اور کونے میں پڑی ہوئی ردی ٹوکری میں پھینک دیا ’’ایسے ہی لوگوں کی مہربانی سے مجھے کہیں بھی چین سکون کا ایک لمحہ میسر نہیں آتا‘‘

دروازے پر سیکرٹری نمودار ہوئی۔

’’تمام ڈائریکٹروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اجلاس دوبارہ شروع ہونے والا ہے‘‘

فانگ چینگ نے پبلک سکیورٹی بیورو کے آہنی دروازے پر کھڑے ہوئے چوکیدار کو اپنا پریس کارڈ دکھایا ’’میں بیورو کے ڈائریکٹر سے ملنا چاہتا ہوں‘‘

’’تفتیشی کمرہ نمبر ایک‘‘

’’کیا؟‘‘

’’سیڑھیاں چڑھ کر دائیں طرف پہلا دروازہ‘‘

’’میں اخبار نویس ہوں‘‘

چوکیدار نے جواب دینے کی زحمت گوارا کئے بغیر اسے سپاٹ نظروں سے

گھورا۔ فانگ چینگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا۔ راہداری کی مدہم روشنی میں سے ایک دروازہ نظر آیا جس پر تانبے کی تختی لگی ہوئی تھی۔ تفتیشی کمرہ نمبر 1۔ اس نے دستک دی کوئی جواب نہ ملنے پر وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ کمرہ قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ فرش پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا اور چائے کی میز کے گرد چند چرمی کرسیاں ترتیب سے پڑی ہوئی تھیں۔ یہ کسی بھی تفتیشی کمرے کی طرح نہیں تھا۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور بیٹھ گیا۔

اچانک تین چار سپاہی ایک چھوٹے بغلی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ وہ سرمئی ماؤ سوٹ میں ملبوس ایک شخص کی ہمرکابی کر رہے تھے۔ وہ شخص درمیانے قد کا تھا اور اس کا سانولا چہرہ لوہے کے نقاب کی مانند بے رونق اور جذبات سے عاری تھا۔ ایک سپاہی جس نے چشمہ لگا رکھا تھا اس کے قریب آیا اور کان میں کچھ کہا۔ جواب میں اس نے سر کو جنبش دی۔

''یہ ڈائریکٹر لی یو ہیں'' عینک والے سپاہی نے تعارف کروانے کے انداز میں کہا۔

''تشریف رکھیے'' ڈائریکٹر کی آواز سنجیدہ اور کرخت تھی اور وہ عینک والا سپاہی اس کے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ باقی سپاہی ان کے دونوں اطراف میں کھڑے ہو گئے۔

''ڈائریکٹر لی یو میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں'' فانگ چینگ نے کہا۔

''ایک لمحے کے لئے ٹھہرو۔ پہلے میں تم سے ایک سوال کروں گا'' ایک لمحے کے وقفے کے بعد لی یو دوبارہ گویا ہوا ''اگر میں تمہیں ماچس کی پانچ تیلیوں سے مربع بنانے کے لئے کہوں تو تم یہ کس طرح کرو گے؟''

فانگ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں''

''میں پریشان نہیں ہوں اس نے بہت سوچا مگر کوئی حل نہ سوجھا۔

یک دم لی یو کرخت انداز میں ہنسا اور خود پسندی سے عینک والے کی طرف دیکھا ''یہ نظریاتی مجرموں کی مخصوص نشانی ہے۔ یہ ہمیشہ اضافی تیلی کو استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ نکالتے ہیں عام مجرموں کا معاملہ بالکل الگ

ہے''

''آپ کو مجرمانہ ذہن کی نفسیات پر مکمل عبور حاصل ہے'' عینک والے سپاہی نے خوشامدانہ انداز سے کہا۔

''یہ میری توہین ہے'' فانگ چینگ نے احتجاج کیا۔

''نوجوان جوش میں مت آؤ۔ جب میں بات کر رہا ہوں تو بیچ میں مداخلت نہ کرو''

لی یو دوبارہ عینک والے سپاہی کی طرف مڑا۔''یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ نفسیاتی حربے استعمال کر کے مجرم کے خیالات کا دائرہ بہت محدود کیا جا سکتا ہے۔'' پھر وہ خود کو چھپا نہیں سکتا اور بہ آسانی گھیرے میں آجاتا ہے تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

عینک والے سپاہی نے اثبات میں سر ہلایا۔''مگر یہ کس طرح پتا چلتا ہے کہ وہ مجرم ہے اس کی آنکھوں کے تاثر سے؟''

''نہیں نہیں یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔نظریاتی مجرم اپنے تاثرات بہ آسانی چھپا سکتے ہیں سنو تمہارا سامنا جس کسی سے بھی ہوتا ہے، وہ مجرم ہے یہ بات کبھی نہ بھولنا''

''ہر شخص؟''

''ہاں طبقاتی جدوجہد یہی تو ہے''

''لیکن............ پھر............ یہ تو............'' عینک والا سپاہی تتلایا۔

''بس تم بہت سوال پوچھتے ہو میرے پاس تمہیں نظریاتی طور پر مشتبہ لوگوں کی فہرست میں شامل کرنے کے سوا کوئی متبادل نہیں بچا۔'' لی یو مڑا اور سختی سے فانگ چینگ کی طرف دیکھا''نوجوان اپنا مدعا بیان کرو''

''میں............ میں ایک مکان کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''مکان نمبر 13 پیپی نس سٹریٹ میں کون رہتا ہے؟''

ڈائریکٹر لی یو ایک لمحے کے لئے بے حس وحرکت ہو گیا۔مگر جلد ہی اس کے لبوں پر بمشکل نظر آنے والی مسکراہٹ آ گئی۔عینک والے سپاہی نے اپنا بریف کیس کھولا اور کاغذ نکال کر لکھنے کے لئے تیار ہو گیا۔دونوں سپاہی فانگ چینگ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

''تمہارا نام؟''

''فانگ چینگ''

''عمر؟''

''آپ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں، میں صحافی ہوں''

''اپنے کاغذات دکھاؤ''

فانگ چینگ نے اپنا پرس کارڈ نکالا اور اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک سپاہی کو پکڑا دیا۔

''اس کارڈ کا معائنہ کرو اور اس کے فنگر پرنٹ لے لو۔ ہاں اس کی فائل بھی ڈھونڈو اور اس کی نظریاتی حیثیت کا پتا چلاؤ''۔ ڈائریکٹر نے حکم دیا۔

''مجھ پر الزام کیا ہے''

''سرکاری رازوں کی ٹوہ لگانے کا''

''کیا مکان نمبر 13 پیی نس سٹریٹ سرکاری راز ہے؟''

جس کسی چیز کے بارے میں کوئی نہیں جانتا وہ راز ہے''

''آپ کو شامل کر کے؟ آپ کا مطلب ہے کہ آپ بھی نہیں جانتے؟''

''میں............ تمہارے کیس میں ایک یقینی تسلسل ہے۔ تم تفتیش کے دوران تعاون بھی نہیں کر رہے''

فانگ چینگ نے ٹھنڈی سانس بھری

''اگلا سوال''

رات ہونے سے کچھ دیر پہلے فانگ چینگ کو رہا کر دیا گیا۔

پھپھوندی کی ہلکی مگر اثر پذیر مہک کے سوا میونسپل لائبریری میں کوئی موجود نہیں تھا۔ فانگ چینگ کو کافی تلاش کے بعد کیٹلاگ سے مطلوبہ کتاب ''مختلف ادوار میں قبر چوری کے طریقے'' مل گئی اس نے کتاب کا نمبر نوٹ کیا اور اوپر والی منزل پر واقع مطالعے کے کمرے کی طرف لپکا۔

میز کے پیچھے کھڑی ہوئی درمیانی عمر کی خاتون نے پرچی کی طرف اور پھر اس کا بغور جائزہ لیا۔ ''کیا آپ ماہر آثار قدیمہ ہیں؟''

''نہیں میں صحافی ہوں''

MashalBooks.com

''کیا آپ کسی خبر کے سلسلے میں مقبرے دیکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں؟'' اس نے نیم مزاحیہ انداز میں کہا

''میں کچھ راز بے نقاب کرنا چاہتا ہوں''

''اس کتاب میں کون سے راز مل سکتے ہیں؟''

''کسی ایسی جگہ میں بھی ہر قسم کے راز پوشیدہ ہو سکتے ہیں جہاں زندگی ختم ہو چکی ہو''

''کیا کوئی بھی ان رازوں سے واقف نہیں ہے؟''

''نہیں، کیونکہ زندہ لوگ بھی اس راز کا حصہ بن چکے ہیں''

''کیا؟''

''کوئی کسی کو نہیں جانتا، کوئی کسی کو نہیں سمجھتا''

اس خاتون نے تعجب سے فانگ چینگ کی طرف دیکھا ''میرے خدایا تم یقیناً پاگل ہو''

''پاگل میں نہیں، آسمان ہے''

خاتون نے منہ پھیر لیا اور اس کے بعد اسے نظر انداز کیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اسے کتابوں کی ٹرالی کی آواز سنائی دی۔ کتاب سے گرد کے بادل اٹھ رہے تھے۔ اسے اپنی بغل میں دبا کر فانگ چینگ مطالعے کے کمرے میں گیا اور ایک کونے میں خالی میز پر بیٹھ گیا۔ وہ وقتاً فوقتاً نوٹس لیتے ہوئے کتاب کے صفحے پلٹتا گیا۔

سورج کی مدہم ہوتی ہوئی روشنی اس کی میز تک پہنچ رہی تھی۔ فانگ چینگ نے انگڑائی لی اور اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ بہت جلد اس نے خود کو دوسرے کتاب خوانوں میں گھرا ہوا پایا۔ حیرت انگیز طور پر ان سب نے اپنے چہرے موٹی کتابوں کے پیچھے چھپائے ہوئے تھے۔ بغور دیکھنے پر فانگ چینگ کانپ اٹھا۔ وہ سب بھی ''مختلف ادوار میں قبر چوری کے طریقے'' ہی پڑھ رہے تھے۔ وہ پسینے میں بھیگ گیا اور اپنی کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

لائبریری سے باہر نکلتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ ایک چھوٹی گلی میں داخل ہوا اور ایک دم واپس گھوما اس کا پیچھا کرنے والے شخص کے پاس

MashalBooks.com

خود کو چھپانے کا وقت نہیں تھا اور وہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ یہ وہی چمڑے کی جیکٹ والا شخص تھا جس سے وہ گزشتہ صبح پیپی نس سٹریٹ میں ملا تھا۔گلی سے نکلتے ہی فانگ چینگ نے قریبی سٹاپ پر کھڑی بس کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ چھلانگ لگا کر بس میں سوار ہوا اور بس کے دروازے ایک چیخ کے ساتھ بند ہو گئے۔بس سے اتر کر اس نے بے تابی سے اردگرد نظر دوڑائی اور تب جا کر مطمئن ہوا جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا گیا۔اس نے اپنے ہاتھ اوورکوٹ کی جیبوں میں ٹھونس لئے اور اپنی خود اعتمادی اور حوصلہ بحال کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔

ایک لڑکا پتنگ اڑاتا ہوا اس کے قریب سے گزرا۔ پتنگ کی ڈور تنی ہوئی تھی اور وہ ہوا میں رقص کر رہی تھی۔کوئی اونچی جگہ بلاشبہ لڑکا جن بھی پتنگ اڑاتے ہوئے غائب ہوا تھا اس نے یقیناً کسی اونچی جگہ سے کچھ دیکھ لیا ہوگا۔مجھ سے کتنی بڑی بے وقوفی ہوئی ہے۔ اس نے سوچا مجھے پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا؟

اس نے پرانی چیزوں کی ایک دکان سے طاقتور دوربین خریدی اور پیپی نس سٹریٹ کی طرف چل پڑا۔ بالآخر اسے ایک اونچی چمنی نظر آئی جو ایک وسیع خالی میدان میں اکیلی کھڑی تھی۔چمنی کے چاروں طرف ٹوٹی ہوئی اینٹیں اور کوڑا کرکٹ بکھرا ہوا تھا۔

وہ چمنی کے زیریں حصے میں واقع بھٹی کی طرف گیا۔سوکھے ہوئے چہرے والا ایک بوڑھا شخص بھٹی میں ایندھن جھونک رہا تھا۔ پس منظر میں دھونکنی کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

''کیا میں آپ سے تھوڑی دیر کے لئے بات کر سکتا ہوں''۔ فانگ چینگ باہر سے ہی چلایا۔

بوڑھے شخص نے اپنے لمبے اور دبلے پتلے جسم کو سیدھا کیا اور دروازے پر آیا۔ اس کا چہرہ کوئلے کی راکھ سے ڈھکا ہوا تھا

''تم کسے تلاش کر رہے ہو؟''اس نے پوچھا

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ چمنی کدھر جاتی ہے۔''

''آسمان کو''

''نہیں میرا مطلب ہے کہ یہ آگ کس کے لئے ہیں''

''مجھے کیا پتا۔ وہ مجھے تنخواہ دیتے ہیں، میں کام کرتا ہوں اتنی سی بات ہے''

اگر وہ تمہیں تنخواہ دیتے ہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی ثبوت تو ہوگا۔''

''بالکل ہے میری تنخواہ کی رسید کہاں گئی؟'' اس نے اپنے آپ کو اوپر سے نیچے تک تھپتھپاتے ہوئے کہا ''میں نے اس سے سگریٹ سلگا لیا ہوگا''

''اس پر کیا لکھا تھا''

''مجھے ذرا سوچنے دو میرا خیال ہے کہ اس کی عبارت کچھ اس طرح کی تھی۔ اتنا جلاؤ کہ ہزار کالے بادل بن جائیں ہاہا۔'' بوڑھے شخص نے دانت نکالے۔ اس کے میلے چہرے کے مقابلے میں اس کے ٹوٹے ہوئے ناہموار دانت بھی خاصے سفید لگتے تھے۔

فانگ چینگ نے اپنا کالا اونی اوورکوٹ اتارا ''کیا تم اس کا دھیان رکھ سکتے ہو؟ میں جائزہ لینے جا رہا ہوں''

''کیا تم اپنے گھر والوں کے لئے کوئی پیغام نہیں چھوڑنا چاہتے؟''

''کیا؟''

''تم اب تک بارہویں ہو۔ ابھی کل ہی ایک لڑکی نے چھلانگ ....''

بوڑھے شخص نے واپس جا کر دوبارہ چمنی میں ایندھن جھونکنا شروع کر دیا۔ فانگ چینگ نے نیچے سے لے کر اوپر چمنی کا جائزہ لیا۔ چمنی ایک طرف کو تھوڑا سا جھکی ہوئی تھی۔ وہ آہنی سیڑھیوں تک پہنچا اور اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ مکان چھوٹے ہوتے گئے اور ہوا اتنی تیز ہوئی کہ اس کے کپڑے پھڑ پھڑانے لگے۔ آخری زینے پر پہنچ کر اس نے خود کو مستحکم کیا۔ ایک ہاتھ سیڑھی میں پھنسا کر وہ گھوما اور دوربین سے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ چھتیں، کھجور کے درخت، دیواریں..........سب..........صاف نظر آ رہا تھا۔ یک دم اسے جھٹکا لگا اور اس کا دوربین والا ہاتھ لرزنا شروع ہو گیا۔ آخر کار وہ اپنے خیالات کو مجتمع کرنے اور دوربین کو دوبارہ مرکوز کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس نے احتیاط سے ہر کونے کھدرے کا جائزہ لیا، مگر اسے گھاس کی ایک بھی پتی نہ نظر آئی۔

''لعنت ہو'' وہ اپنے آپ ہی بڑبڑایا۔

جیسے ہی اس کے قدم زمین سے لگے اسے اپنے پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی''۔ ہلنا مت اب تمہارا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟'' ذرا بھی حیران ہوئے بغیر اس نے

اپنے کپڑوں سے مٹی جھاڑی اور گھوما۔ چمڑے کی جیکٹ والے شخص نے اسے دھکیلا اور وہ تھوڑی دور کھڑی ہوئی جیپ کی طرف چل پڑے۔

اپنا سر موڑ کر فانگ چینگ نے دیکھا کہ بوڑھا شخص بھٹی میں ایندھن جھونک رہا ہے ''کالے بادل'' اس نے کہا

فانگ چینگ کو پاگل خانے بھیج دیا گیا۔

جب اس نے ویران میدانوں اور خس و خاشاک سے ڈھکی ہوئی بیرونی دیوار کے گرد دائروں میں بھاگتے ہوئے لوگوں کو دیکھا تو بالآخر اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اب وہ خود بھی دیواروں کے اندر تھا۔

MashalBooks.com

بو یا نگ (تائیوان)

بو یا نگ کو وی تنگ کا قلمی نام ہے وہ 1920ء میں چین کے شہر کی فنگ میں پیدا ہوئے۔ 1940ء کی دہائی کے آخری برسوں میں وہ نقل مکانی کر کے تائیوان آ گئے اور لوژن کی معاشرتی تنقید کی روایت میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔ ان مضامین میں انہوں نے افسر شاہی کو ملنے والی مراعات اور بدعنوانی کو چن چن کر نشانہ بنایا۔ 1950ء اور 60ء کی دہائی کے دوران انہوں نے تائیوان کے آمرانہ معاشرے کے خلاف اور انسانی حقوق، جمہوریت اور آزادی کی حمایت میں بے شمار مضامین لکھے۔ انہوں نے افسانوی ادب بھی لکھا۔ بو یا نگ اپنی تند خو صحافت کی وجہ سے کو من تا نگ حکومت کے زیر عتاب آ گئے، جس نے انہیں ''قیادت کو بدنام کرنے کی'' اور ''کمیونسٹوں کے ساتھ ساز باز کے الزام میں 1968ء سے 1977ء تک قید میں رکھا۔ دوران قید انہوں نے شاعری لکھی۔ ان کی کتاب ''ایک دور کی نظمیں'' میں ان کی چند سب سے چبھتی ہوئی تحریریں شامل ہیں۔ ان دنوں وہ گیارہویں صدی میں لکھی گئی چین کی ایک یادگار تاریخ کو جدید چینی میں نقل کر رہے ہیں۔ بو یا نگ ایک سو سے زیادہ کتابوں کی مصنف ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر رپورتاژ ہیں، جن کی وجہ سے وہ زیادہ جانے جاتے ہیں۔ ان کی بہت سی کتابوں کے تراجم انگریزی زبان میں بھی دستیاب ہیں۔ بو یا نگ اپنی بیگم شیا نگ ہوا چا نگ، جو خود بھی شاعرہ ہیں، کے ساتھ شمالی تائیوان کے شہر تائے پے میں رہتے ہیں،

MashalBooks.com

بھیانک خواب

''کون ہے؟'' میں چلایا

نومبر کے وسط سے تائیوان کے اس مشہور پرانے قصبے میں جو آندھی شروع ہوتی ہے تو پھر نہیں رکتی۔ تمام دن اور تمام رات ایک مسلسل چنگھاڑتی ہوئی چیخ نما آواز کانوں میں پڑتی ہے یہ بمباری کی زد میں آئے ہوئے کسی تیل کے کارخانے کا منظر پیش کرتی ہے۔ کالی مٹی مسلسل گردابی چکر بناتی ہوئی دھوئیں کے کثیف بادلوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ درختوں کے جھنڈ سے جہاں درختوں کی شاخیں ٹوٹ کر زمین پر گرنے سے پہلے ہلتی رہتی ہیں، پتوں اور شاخوں کی ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کھانے کی کرخت آواز آتی ہے۔ مضبوطی سے بند کی ہوئی کھڑکیوں پر جمی ہوئی گرد کی تہ دن بدن بتدریج موٹی ہوتی رہتی ہے۔ سورج کسی ایسے شخص کی آنکھوں سے مشابہ ہے جسے ابھی ابھی صرف لگا کر چاروں شانے چت گرادیا گیا ہو، پھر وہ اپنی بدحواسی میں یہ کوشش کر کے اس قابل ہو جاتا ہے کہ اٹھ جائے لیکن زمین کو پہلے کی طرح واضح طور پر نہیں دیکھ سکتا۔

میں شن چو قصبے سے بڑی اچھی طرح واقف تھا۔ جس دن یہ واقعہ رونما ہوا مجھے وہاں رہتے ہوئے پورے دو سال ہو چکے تھے۔ انسانی فطرت بنیادی طور پر ست ہوتی ہے۔ جب میں نے ایک دوست کی دعوت قبول کی اور اس کے سکول میں پڑھانے کے لئے شن چو آیا تو میرا ارادہ صرف ایک سشن ٹھہرنے کا تھا لیکن سشن کے اختتام پر میرا گزارا اپنے رفقاء کے ساتھ اچھا ہو رہا تھا اور مجھے اپنے طالب علم پسند تھے، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ میرے لئے وہاں ٹھہرنا اور تدریس جاری رکھنا ہی بہتر ہے۔ مجھے اس قدیم، پرانے قصبے کی طرف ایک بات پسند نہیں تھی اور تند خو آندھی تھی جو ہر سال موسم سرما میں لازمی طور پر چلا کرتی تھی۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ آندھی کے بارے میں میرا رویہ شن چو میں لمبا عرصہ رہنے کے بعد بدل گیا تھا لیکن آپ کا جسم کچھ عرصے بعد کسی بھی تکلیف کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس سے نپٹنے کا جو طریقہ کار میں اختیار کیا وہ منفی تھا کیونکہ پڑھانے کے لئے سکول جانے کے علاوہ میں پورا وقت اپنے کمرے میں بند رہتا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے میں کسی آب دوز میں بند

MashalBooks.com

ہوں۔ جب بھی مجھے خیال آتا کہ میرے کمرے کی دیواریں کشتی کا بادبان ہیں اور میرے دروازے سے باہر کی دنیا ہمیشہ کی طرح پرآشوب ہے، میں خود کو اپنی اس خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا کہ میں اتنے گرم کمرے میں بند ہوں۔

جس دن شرمنگ آیا ہماری سردیوں کی چھٹیوں کا آغاز ہی ہوا تھا۔ گو جس وقت میں نے رات کا کھانا مکمل کیا ابھی چھ بھی نہیں بجے مگر پہلے ہی تاریکی چھا رہی تھی، لہٰذا روشنی جلاتے ہوئے میں ایک کرسی پر جس کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی، بیٹھ گیا اور کتاب پڑھنی شروع کر دی میں نے شرمنگ کی دستک نہ سنی۔

کوئی ایسا شخص جسے بڑے شہر میں رہنے کے تمام پر پیچ رواجوں اور آداب کی عادت پڑی ہو جب کسی ایسی سادہ اور دیہاتی جگہ پر آتا ہے جہاں میں رہ رہا تھا تو اسے کچھ چیزیں زیادہ درست معلوم نہیں ہوتیں۔ شرمنگ نے خود ہی دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔ جیسے ہی ناراض آندھی اندر داخل ہوئی، سرد ہوا نے میری پیٹھ میں گویا خنجر سا گھونپ دیا اور دیوار پر لٹکی ہوئی ویران دریا پر مچھلیاں پکڑنے والے شخص کی پینٹنگ اوپر اٹھ گئی اور ادھر ادھر لہرائی۔ جب میں نے اپنے کندھے کے اوپر سر گھما کر دیکھا تو مجھے کسی کی پرچھائی نظر آئی ہے۔ ''کون ہے؟'' میں چلایا۔

''دور سے آیا ہوا ایک مسافر، تائے پے سے آیا ہوا ایک ملاقاتی۔''

''شرمنگ'' میں نے کہا۔ اتنے پرانے دوست کو اتنے لمبے عرصے میں پہلی مرتبہ دوبارہ دیکھنے پر میں جوش سے اچھل پڑا اور اس کا بریف کیس خود تھام لیا۔ ''تم نے آنے سے پہلے خط کیوں نہیں لکھا؟ تمہیں مجھے خط لکھ کر اپنی آمد سے مطلع کر دینا چاہئے تھا۔ تم نے وقت کس طرح نکال لیا؟ کیا تم آج کل بہت زیادہ مصروف نہیں ہوتے؟''

اس نے اپنا کوٹ اتار دیا اور کمرے میں موجود واحد آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا چہرہ زرد تھا۔ اس کے گال سوکھے ہوئے تھے، جیسے کسی نے انہیں چھری سے کتر دیا ہو، جس کی وجہ سے اس کے چہرے کی ہڈیاں زیادہ ابھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسے ہوئے سوراخوں سے بے معنی طور پر باہر جھانک رہی تھیں اور اس کی پراگندہ صورت کو مزید نمایاں کر رہی تھیں۔

''کیا تم بیمار ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں'' اس نے جواب دیا۔ ''میں صرف تھکا ہوا ہوں۔''

MashalBooks.com

''تم یقیناً تھکے ہوئے ہو۔ کسی بڑی ہارڈ ویئر کمپنی کے چیئر مین کے کام کا بوجھ بلا شک و شبہ تھکا دینے والا ہوتا ہے، خصوصاً چالیس سال کی عمر کے بعد۔ شرمنگ تمہیں شادی کر لینی چاہیئے۔ تم مجھ سے یہ بہانہ نہیں کر سکتے کہ تمہیں موزوں ساتھی نہیں ملتا۔''

اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔ اختلاف رائے کا اظہار کرنے کے لئے اس نے صرف اپنا سر نفی میں ہلایا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''تم کس وقت یہاں پہنچے؟''

''آج صبح''

''اچھا؟ وہ کون سا ایسا کام تھا جو تمہیں پورے دن کے لئے یہاں لے آیا؟''

''میں ایک جنازے میں شرکت کے لئے آیا تھا'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

میں نے الماری سے ایک بستر نکالا اور کہا ''تم میرے بستر پر سو سکتے ہو تم تھکے ہوئے ہو اس لئے ہم کل بات کریں گے۔ اگر تمہیں سردی نہ لگ رہی ہو تو غسل کر سکتے ہو، میں نے ابھی ابھی پانی گرم کیا ہے۔''

اس نے میری تجویز قبول کر لی۔ جیسے ہی اس نے منہ کھولتے ہوئے انگڑائی لی، سگریٹ کا باقی حصہ اس کے منہ سے فرش پر گر گیا۔ وہ نیچے جھکا، اسے اٹھایا اور واپس اپنے منہ میں دبا لیا۔ پھر وہ غسل خانے میں چلا گیا۔

جس دوران شرمنگ نہا رہا تھا میں نے بستر بچھایا اور اس پر مچھر دانی ٹانگ دی۔ اصولی طور پر کسی آندھی زدہ مقام پر یا تو مچھر ہوتے ہی نہیں ہیں یا پھر بہت تھوڑی تعداد میں ہوتے ہیں لیکن شن چو اس اصول سے مستثنیٰ نظر آتا تھا۔ اصل میں میرا گھر مچھروں کے لئے ایک حقیقی جائے پناہ بن گیا تھا، لہٰذا مجھے بڑی احتیاط سے مچھر دانی کا معائنہ کرنا پڑتا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں کرسی پر بیٹھ گیا اور دوبارہ ناول پڑھنا شروع کر دیا۔

نہانے کے بعد شرمنگ میرے نائٹ گاؤن میں لپٹا ہوا باہر آیا تو اس کی حالت کافی بہتر نظر آتی تھی۔ وہ بیٹھ گیا اور اپنے گیلے بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔ گو روشنی خاصی مدہم تھی مگر میں دیکھ سکتا کہ اس کے قریب قریب چوتھائی بال سرمئی ہو چکے تھے۔

''تم کس کے جنازے میں شرکت کے لئے آئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک بوڑھی عورت کے۔''

''میں نہیں جانتا تھا کہ اس علاقے میں تمہارا کوئی رشتہ دار یا دوست رہتا ہے۔''

''وہ میری بیوی تھی۔''

میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ منہ بھر چائے میرے حلق میں غرغرائی۔ کوشش کر کے میں نے اپنے گال پھلائے اور چائے کو باہر گرنے سے بچانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن جیسے ہی ابلتی ہوئی چائے میری حلق سے نیچے اتری، میں تکلیف سے چلا اٹھا۔

''اس طرح نہ کرو'' شرمنگ نے سنجیدہ نظر آتے ہوئے کہا۔ اس نے کنگھی میز پر رکھ دی۔ ''ینگ این اگر تم چاہتے ہو کہ ہماری دوستی قائم رہے تو اس طرح کا خوفناک چہرہ نہ بناؤ۔''

میں نے اسے کبھی اتنا سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنا پورا منہ کھول کر تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور اس نے مجھے لگنے والے دھچکے کو، یا پھر شاید میری حواس باختگی کو واضح طور پر محسوس کر لیا۔

''یہ بالکل سچ ہے'' اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا اور ایک اور سگریٹ سلگا لیا۔

''میں نے یہ بات اپنے دوستوں سے ہمیشہ چھپائی تھی، لیکن اب وہ فوت ہو چکی ہے۔ ینگ این، کیا تم جانتے ہو میرا تعلق کہاں سے ہے؟''

''ہونان سے۔''

''یہ درست ہے کہ میرا تعلق ہونان سے ہے لیکن کیا تم جانتے ہو کہ پچھلے جنم میں میرا تعلق کہاں سے تھا؟''

''شرمنگ!''

''میں اپنے پچھلے جنم میں شن چو میں پیدا ہوا اور اپنی وفات تک یہیں رہا۔ اس وقت میری عمر پچیس سال تھی۔''

''تم آرام کیوں نہیں کرتے؟ تم بہت زیادہ تھکے ہوئے ہو۔''

اگرچہ روشنی خاصی مدہم تھی مگر وہ سیدھی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اداسی سے اپنا سر موڑتے ہوئے اس نے سگریٹ کا لمبا کش لیا۔ کمرہ غیر معمولی طور پر بے رنگ نظر آتا تھا۔ باہر آندھی ابھی تک چیخ و پکار کر رہی تھی اور کھڑکیاں متواتر ہل رہی تھیں۔

''مجھے ہر چیز اچھی طرح یاد ہے'' اس نے آہستہ اور محتاط آواز میں کہا۔ ''اپنے بچپن سے میں نے بہت خواب دیکھے، اور اپنے خوابوں میں............''

MashalBooks.com

''ینگ این، میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا کہ تائیوان آنے سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ کیوئی یوآن کوڈریگن آئی (اژدہے کی آنکھ) بھی کہا جاتا ہے۔ ہونان میں کیوئی یوآن پھل کو کیوئی یوآن ہی کہا جاتا ہے۔ صرف امیر گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ یا پھر مریض اس پھل کو کھانے کے متحمل ہو سکتے تھے۔ اس موقعے پر مجھے واضح کر دینا چاہیے کہ مجھے کیوئی یوآن کبھی خصوصی طور پر پسند نہیں آیا تھا اور اگرچہ میرا گھرانہ خاصا متمول تھا۔ پھر بھی میں نے پہلی مرتبہ کیوئی یوآن بیس سال کی عمر میں کھایا۔ بہرحال اپنے بچپن کے دنوں سے میں نے اکثر ڈریگن آئی رائس گروایل (اژدہے کی آنکھ کی قسم کا چاول کا دلیا) کھانے کا خواب دیکھا ہے۔''

''سنو'' میں نے کہا، ''آندھی کی آواز واقعی اونچی ہے۔ تمہیں تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیے۔''

''تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ میں بے معنی باتیں کر رہا ہوں۔ یہ واقعی سچ ہے۔ اپنے بچپن کے دنوں میں ڈریگن آئی رائس گروایل کھانے کا خواب دیکھتا آیا ہوں۔ میں صحیح طرح نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ خواب کس عمر میں دیکھنا شروع کیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میں پانچویں یا چھٹی جماعت میں تھا تو مجھے اکثر یہ خواب آیا کرتا تھا کہ کوئی مجھے ڈریگن آئی رائس گروایل کھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ جیسا کہ تم شاید جانتے ہو۔ ڈریگن آئی رائس گروایل سفید کھانڈ، کیوئی یوآن اور چاولوں سے بنایا جانے والا میٹھا دلیا ہوتا ہے۔

''شروع میں میرا خواب بہت دھندلا تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ کہر آلود تاریکی میں میرے سامنے کھانے کا پیالہ پڑا ہے اور میں اسے ہڑپ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر میں اچانک جاگ جاتا لیکن میری زبان کی نوک پر اس کا میٹھا ذائقہ موجود ہے۔

''میں نے یہ خواب ایک مرتبہ اپنی والدہ کو سنایا''۔ 'تم ایک لالچی بچے ہو' والدہ نے کہا۔ ''جب تم دن کے وقت پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تو تم کوئی عجیب وغریب سا خواب دیکھ لیتے ہوتا کہ اپنی نیند کے دوران بھوک مٹالو۔ وہ میٹھی ہوتی ہے؟ اور گاڑی نہیں ہوتی؟ اور کیا؟ تم کس چیز کی بات کر رہے ہو؟ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ڈریگن آئی رائس گروایل کہلاتی ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا کہ میں جواب دے سکتا بہرحال، جس دن والدہ نے میری ہنسی اڑائی اس سے اگلے دن اپنے خواب میں مجھے ایک مبہم آواز

MashalBooks.com

سنائی دی’’ڈریگن آئی رائس گروایل تیار ہے۔آ کر کھالو!

’’یہ پہلا موقع تھا جب میں نے الفاظ ڈریگن آئی رائس گروایل، سنے لیکن یہ میرے ذہن پر نقش رہے اور جیسے جیسے میری عمر بڑھتی گئی یہ زیادہ واضح ہوتے گئے۔ایسا لگتا تھا کہ وہ آواز کسی کہر آلود، پھیلے ہوئے ہاتھ سے آ رہی ہے جس کی انگلیاں غائب ہیں۔ میں یہ بتا سکتا تھا کہ وہ زنانہ آواز ہے، لیکن میں کچھ دیکھ نہیں سکتا۔اس وقت سے میں جانتا تھا کہ ڈریگن آئی رائس گروایل کیا ہوتی ہے، حالانکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ڈریگن آئی کیا چیز ہے۔

’’کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ مجھے یہ خواب بار بار کیوں آتا ہے۔میری والدہ نے جلد ہی مجھ پر ہنسنا چھوڑ دیا۔کئی بار انہوں نے خود مجھے سوتے میں دلیا کھانے کی آواز نکالتے سنا۔ان کا خیال کہ میں یقیناً کسی شیطانی روح کے شکنجے میں پھنس گیا ہو لیکن دوسرے اعتبار سے میں بالکل ٹھیک تھا۔امتحانات میں میرے نمبر ہمیشہ اچھے ہوتے اور میری صحت بھی قابل رشک تھی لیکن ہر تھوڑے دنوں بعد مجھے خواب آتا کہ وہ عورت پکار رہی ہے۔ ’’ڈریگن آئی رائس گراویل تیار ہے۔‘‘ آ کر کھالو! اور اس کی آواز ہر مرتبہ مزید دلسوز ہو جاتی۔

’’ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ والدہ خاص طور پر سونگ پہاڑی گئیں اور ایک مشہور تاؤ راہب کو ہمارے گھر آنے کی دعوت دی۔ وہ اس ڈر سے چوری چھپے آیا کہ شیطانی روح کو اس کی آمد اور رخصتی کا پتا نہ چل جائے۔اس دن دوپہر کو میرے گھر والوں نے ایک تیس فٹ اونچا تاؤ سائبان بنایا۔سورج کے پہاڑوں کے پیچھے غروب ہونے کے فوراً بعد، بالکل اس وقت جب بھوت اور روحیں باہر نکلتی ہیں، وہ راہب چبوترے پر چڑھ گیا اور اپنے ہاتھ میں لکڑی کی تلوار تھامے، اپنی جادوئی رسم ادا کی۔ جب کہ میں ایک زرد چرمی کاغذ پر، جس پر جادوئی منتر کندہ تھے، بیٹھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس نے مندرجہ ذیل الفاظ چلا چلا کر کہے’’آسمان کے سردار، جلدی سے اس حکم کی تعمیل کرو۔ آئی خاندان کے پہلے بیٹے آئی شرمنگ کی نہ تو پچھلے جنم میں تم سے کوئی لڑائی تھی اور نہ ہی اس زندگی میں ہے۔آج رات پہلے پہر کے تیسرے پہر سے پہلے پہلے اپنی غار میں واپس چلے جاؤ، ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ یہ حکم سب تک پہنچا دو‘‘۔ ہر منتر کے بعد وہ اپنی تلوار ہوا میں لہراتا۔

میں نے شرمنگ کو ایک اور سگریٹ دیا۔ اس نے سگریٹ سلگایا، کئی مرتبہ کھانسا، چائے کا ایک گھونٹ پیا، مزید کئی مرتبہ کھانسا اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''مجھے شاید سردی لگ گئی ہے۔'' اس نے کہا اور پھر اپنی بات جاری رکھنے سے پہلے ایک لمحہ وقفہ کیا۔ ''میں کافی دیر تک اس کی قبر کے سرہانے کھڑا رہا۔ اس کا کوئی بچہ نہیں تھا اور اس کے پاس کوئی جائیداد نہیں تھی، لہٰذا اس کے جنازے میں صرف چند رشتہ داروں اور چھ تابوت اٹھانے والوں نے شرکت کی۔ جب اسے دفنا دیا گیا تو وہ سب چلے گئے۔ جیسے ہی میں نے اس کی قبر کی طرف دیکھا، مجھے معلوم ہوا گیا کہ وہ ہمیشہ سکون میں رہے گی۔ تیز آندھی نے میرے چلانے کی آواز کو دبا دیا لیکن میں جانتا تھا کہ ''مجھے اپنا نام پکارتے ہوئے سن سکتی ہے۔ میں نے اسے مایوس کیا تھا۔ وہ یقیناً کسی بادل کے کنارے کھڑی بیتابی سے میرا انتظار کر رہی ہوگی لیکن اب اسے یقیناً پتا چل گیا ہوگا کہ اس کا خاوند ابھی تک زمین پر پرسکون زندگی بسر کر رہا ہے اور اکٹھے جینے مرنے کے وہ وعدہ سگریٹ کے کش جتنے بے معنی تھی میں نہیں جانتا، آیا وہ خوش ہے یا غم سے آنسو بہا رہی ہے۔''

''شرمنگ'' میں نے کہا ''تمہیں بہت تیز بخار ہے اور تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''تم تھوڑی دیر سو کیوں نہیں جاتے۔ ہم باقی باتیں کل کر لیں گے۔''

''تمہارا خیال ہے کہ میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہوں؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری بات ختم ہونے کا انتظار کرو۔ پھر تمہیں پتا چل جائے گا کہ میرا ذہنی توازن بالکل درست ہے۔ مجھے صرف اپنی بیوی کی موت کا غم نڈھال کر رہا ہے اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ مجھے غم نہ ہو؟ جب موت، دو محبت کرنے والے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کر دے تو وہ پیچھے کیا چھوڑتے ہیں؟

''مجھے واپس تاؤ راہب کی طرف آنے دو۔ وہ راہب تقریباً آدھی رات تک اچھلتا کودتا رہا۔ اگلے دن وہ واپس چلا گیا، لیکن وہ میرے خواب روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے خوابوں پر دھیان دینا شروع کر دیا۔ مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں ہمیشہ چاند کی ہر پندرہ تاریخ کو ڈریگن آئی رائس گروایل کھانے کا خواب دیکھتا ہوں۔''

''تم ہر پورے چاند پر اپنے حواس کھو بیٹھتے تھے!'' میں نے حیرت سے کہا۔
شرمنگ بے دلی سے ہنسا اور پھر حیرت واستجاب سے مجھے گھورنے لگا ''نہیں''

اس نے کہا، ''میں اپنے حواس نہیں کھو بیٹھتا تھا۔ مجھے صرف ڈریگن آئی رائس گروایل کے متعلق خواب آتا تھا۔ تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اگرچہ آج چاند کی پندرہ تاریخ ہے، آسمان پر چاند موجود ہی نہیں ہے۔ کیا میں صحیح نہیں کہہ رہا؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا،'' میں نے مشکل سے کہا۔

''میں یہ خواب گزشتہ کئی سال سے باقاعدگی سے دیکھ رہا ہوں۔ رفتہ رفتہ یہ میری زندگی کا حصہ بن گیا اور میں اسے کسی قسم کی مصیبت نہیں سمجھتا تھا۔ بہرحال میرے گھر والوں کے علاوہ کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ ہم پرانے دوست ہیں لیکن میں نے تمھیں کبھی نہ بتایا کیونکہ میرے خیال میں ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اب تمہارا ردعمل دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمھیں اس راز میں شریک نہ کرنے کا فیصلہ درست تھا۔

''بہرحال میرے خواب پیچیدہ ہوتے گئے۔ اب وہ پہلے کی طرح دھندلے دھبے نہ رہے۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک پرانا قصبہ نمودار ہوا، جو میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، لیکن میرے قدم جانتے تھے کہ وہ کہاں جارہے ہیں۔ جیسے میں چند دنوں کی غیر حاضری کے بعد گھر لوٹ رہا ہوں۔ میں ایک زرد دروازے کے سامنے رکا اور پھر ذرا بھی ہچکچاہٹ کے بغیر اندر چلا گیا۔ گھر کے اندر ہر چیز تاریک تھی اور ایک میز کے سوا کچھ موجود نہیں تھا۔ اس میز پر ابلتے ہوئے ڈریگن آئی رائس گروایل کا پیالہ پڑا تھا۔''

میں شرمنگ کو بے یقینی سے گھورتا ہوا اس کی بات سنتا رہا۔

''اس کے بعد مجھے جب بھی خواب آیا'' اس نے کہا، میں ہمیشہ ان گلیوں سے ہو کر ڈریگن آئی رائس گروایل کھانے جاتا۔ رفتہ رفتہ ان گلیوں سے میری آشنائی صرف خواب تک محدود نہ رہی اور میں جاگتے ہوئے بھی ان سے پوری طرح واقف ہوتا۔ میں نے کبھی کسی کو نہ دیکھا لیکن جب میں نے اس رندھی ہوئی آواز کو پکارتے سنتا کہ، ڈریگن آئی رائس گروایل تیار ہے۔ آ کر کھا لو!'' تو میں اپنے خواب میں ہی اسے تلاش کرنے لگتا۔

''چاند کی ہر پندرہ تاریخ کو میں جلدی سو جاتا اور مجھے اچھی اور پرسکون نیند آتی۔ ینگ این آخر حقیقت کیا ہے؟ تخیل کیا ہے، جب میں اگلے دن جاگتا تو ڈریگن آئی رائس گروایل کا ذائقہ میرے منہ میں باقی ہوتا۔ اس بات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میرا خواب ہی اصل میں حقیقی زندگی ہے؟ کیا میری روزمرہ کی زندگی صرف ایک خواب

ہے؟''

''شرمنگ، کیا تم نے ہسپتال سے اپنا معائنہ کروایا ہے؟ شاید تمہیں کوئی اعصابی بیماری ہے۔''

''کاش ایسا ہی ہوتا، لیکن میں بالکل تندرست وتوانا ہوں اور میری نوکری بھی ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔ میں نے تمہیں، وہ سب جو تیس سال میں ہوا مختصراً چند منٹ میں بتا دیا ہے، اس لئے تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ وہ خواب میری زندگی پر پوری طرح چھا گیا تھا۔ حقیقت میں اس نے میرے لئے کوئی مصیبت نہیں کھڑی کی تھی بلکہ فائدہ مند ہی ثابت ہوا تھا کیونکہ خواب والی رات میں بہت پرسکون نیند سوتا۔ بعد میں جب میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور میں تائیوان آ گیا تو وہ خواب مجھے واپس میرے بچپن میں لے جاتا۔ لوگوں کی یادداشت قدرے کمزور ہوتی ہے۔ صرف خوش قسمت ترین لوگوں کو اپنے بچپن کے متعلق کچھ یاد رہتا ہے۔ زیادہ تر لوگ ہر وہ چیز جو وہ اس خوبصورت، سنہرے دور میں دیکھتے، سنتے یا تجربہ کرتے ہیں، مکمل طور پر بھلا دیتے ہیں لیکن میں تاؤ راہب، اس کے تاؤ چغے اور جوتے اور اس کی بندر کی طرح اچھل کود ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ یادیں بجائے دھندلی ہونے کے زیادہ واضح ہو رہی ہیں۔''

''تمہیں یہ خواب اب بھی آتا ہے؟''

''نہیں'' اس نے کہا۔

''تمہیں یہ خواب آنا کب بند ہوا؟''

''گزشتہ روز!''

''یہ کس طرح ہوا؟ کیا یہ اچانک ہوا؟ یا پھر تمہیں کسی قسم کی پیش آگاہی ہوئی کہ تم یہ خواب آخری مرتبہ دیکھ رہے ہو؟''

شرمنگ نے ایک گہرا، لمبا سانس لیا۔ پھر اس نے اپنی انگلیوں کے درمیان دبا ہوا سگریٹ راکھ دان میں پھینکا اور اس پر تھوڑی سی چائے گرا دی۔ سگریٹ کا ٹکڑا سی سی کی آواز پیدا کرتا ہوا بجھ گیا۔ خنکی میں اضافہ ہو رہا تھا اور آندھی ابھی تک کھڑکیوں کو ہلا رہی تھی۔ میں نے چائے کے کپ دوبارہ بھر دیئے۔

''تم کہہ سکتے ہو کہ یہ اچانک ہوا، لیکن تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ایسا نہیں ہوا'' اس نے رک رک کر کہا۔ ''میں سوچا کرتا تھا کہ وہ خواب مجھے ہمیشہ آتا رہے گا، لیکن مجھے کبھی یہ

خیال نہ آیا کہ .... اوہ ینگ این، میں کبھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ کیا ہوگا۔ مجھے تائیوان آئے ہوئے پانچ سال ہو چکے تھے۔ خزاں کا موسم تھا۔ میں ایک دفتری کام کے سلسلے میں شن چو آیا۔ میرے تائیوان آنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب میں تائے پے سے باہر گیا۔ لہٰذا یہ میرا شن چو آنے کا بھی پہلا اتفاق تھا۔ جب میں بس سے اترا اور رہنے کے لئے ہوٹل ڈھونڈنے نکلا تو اندھیرا چھا رہا تھا۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اگلے دن بہت صبح صبح میں ناشتہ کرنے باہر جا رہا تا تو میں نے دیکھا کہ ہوٹل کے برآمدے میں لگے ہوئے کیلنڈر پر چاند کی پندرہ تاریخ بڑے واضح طور پر چھپا ہوا ہے۔ میں مسکرایا لیکن کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ماضی میں وہ خواب ٹرین، بجری، جہاز، ہوٹل، حتیٰ کہ اجاڑ دیہاتی علاقے میں بھی دیکھ چکا تھا، لہٰذا اب میں اسے مزید کوئی خلاف توقع بات نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال جب میں ہوٹل سے باہر نکلا تو زیادہ دور جانے سے پہلے ہی مجھے یک دم احساس ہوا کہ میں اس سے پہلے بھی وہاں آ چکا ہوں۔''

''تم وہاں آ چکے تھے؟'' میں نے کورے پن سے سوال کیا۔

اس نے اپنے چائے کے کپ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کھڑکی کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ اس میں سے باہر فرار ہونا چاہتا ہو۔

''یقیناً میں اس سے پہلے کبھی یہاں نہیں آیا تھا'' اس نے کہا۔ ''شن چو ایک خوبصورت نام ہے جس کے متعلق میں نے بہت پہلے سنا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ قصبہ اپنی آندھی کی وجہ سے مشہور ہے لیکن میں نے کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میں خود یہاں آؤں گا۔ میرا خیال ہے کسی کو اپنی تقدیر پر اختیار نہیں ہے اور نہ ہی کوئی وہ جگہیں منتخب کر سکتا ہے جہاں جانا اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا بالآخر میں شن چو آیا تھا۔ ہوٹل سے باہر نکلنے کے تھوڑی دیر بعد مجھے اچانک احساس ہوا کہ میں شن چو کی سڑکوں سے جو میرے لئے بالکل اجنبی ہونی چاہئے تھیں، پوری طرح مانوس ہوں۔

''ینگ این'' میں نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ میں واقعی اس سے پہلے یہاں آ چکا ہوں، ورنہ ہر چیز اتنی مانوس کس طرح ہو سکتی تھی؟ لیکن میں اس سے پہلے یہاں کب آیا تھا؟ پہلے چوراہے کے بعد میرے سامنے ایک پتھر کا شیر آئے گا اور پتھر کے شیر کے بعد برگد کا بڑا درخت۔ سامنے سے مجھے مڑنا چاہئے۔

''پھر مجھے اچانک احساس ہوا کہ میں خواب میں وہاں آ چکا تھا! میرے خواب والا قصبہ شن چوہی کا تھا اور اب میں اپنے خواب والے منظر میں تھا۔''

''شرمنگ!'' میں نے پس وپیش کے ساتھ کہا۔

''تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب تین سال پہلے ہوا تھا۔ میں ناشتہ کرنا بھول گیا۔ میرا تجسس مجھے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ میں اس رستے پر چلتا رہا جو میری یادداشت پر نقش تھا اور پھر، بالکل اس طرح جیسے خواب میں ہوتا تھا، مجھے ایک زرد بیرونی دروازہ نظر آیا۔''

''دروازہ واقعی موجود تھا؟'' میں نے بیچ میں مداخلت کی۔

''ہاں'' اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''دروازہ بالکل ویسا تھا جیسا کہ میں اپنے خواب میں دیکھ چکا تھا۔ میں غیر ارادی طور پر رک گیا بلکہ مجھے خوف آنا بھی شروع ہو گیا۔ دروازہ مضبوطی سے بند تھا اور اس کے سامنے والی سیڑھی گرے ہوئے پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میں فیصلہ نہ کر پایا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ متعدد مرتبہ میں واپس جانے کے لئے مڑا حالانکہ میں جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ ایک تیس سال پرانا معمہ حل ہونے کے قریب تھا اور اگر مجھے دھمکانے والا خطرہ اس سے بھی زیادہ شدید ہوتا تو میں پھر بھی نہ رکتا۔ کافی دیر تک ہچکچانے کے بعد میں نے بیرونی دروازے پر دستک دے دی۔

''دروازہ ایک سرمئی بالوں والی بوڑھی عورت نے کھولا۔ وہ بہت پتلی اور لاغر تھی۔

اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور گندے تھے جیسے بہت برسوں کی غربت کا نتیجہ ہو۔ اس بات کا انتظار کئے بغیر کہ وہ مجھ سے میری آمد کا مقصد پوچھے، میں اندر داخل ہو گیا اور وہ میرے پیچھے پیچھے آنے لگی۔ اندر ایک چھوٹا سا احاطہ تھا اور احاطے سے آگے ایک بہت پرانا، ٹوٹا پھوٹا مکان جو پرانے چینی دیہاتی انداز میں بنا ہوا تھا۔ یہ بتانا ناممکن تھا کہ وہ عمارت کتنی پرانی ہے۔ بوڑھی عورت اپنے غیر متوقع مہمان کی آمد سے قدرے گھبرا گئی تھی۔

''بالکل اسی وقت میں نے دیکھا۔ دیوار پر ایک خوش شکل نوجوان کی انلارج کی ہوئی تصویر لٹکی تھی۔ اس نے بیسویں صدی کے اوائل میں مروجہ فیشن کے مطابق لباس پہنا ہوا تھا۔ تصویر پیلی ہو رہی تھی اور اس کا ایک کونا پہلے ہی سفید ہو چکا تھا۔ اس تصویر کے

نیچے پڑی ہوئی میز پر ڈریگن آئی رائس گروایل کا ایک پیالہ رسمی انداز میں سجا ہوا تھا۔''

میں نے شرمنگ سے پوچھا کہ اس نے بوڑھی عورت سے کوئی سوال کیوں نہیں کیا، لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے میری بات کاٹ دی۔

''میں اس سے سوالات پوچھنا چاہتا تھا، لیکن اسے بات چیت پر آمادہ کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ تیزی سے سوچتے ہوئے میں نے اپنی کھاتوں والی کتاب نکال لی اور اسے بتایا کہ میں ضلعی حکومت کا نیا مردم شماری افسر ہوں۔ میں نے کہا کہ میں اس سے ملاقات کرنے اور اس کی مدد مانگنے آیا ہوں۔ اس نے میری بات پر یقین کر لیا۔ کچھ دیر تک دوسرے غیر متعلقہ معاملات پر گفتگو کرنے کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ تصویر والا شخص کون ہے۔''میرے شوہر۔اس نے جواب دیا۔اب یہ کہاں ہیں؟''میں نے پوچھا۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے، اس نے جواب دیا۔ وہ پچیس سال کی عمر میں تپ دق سے انتقال کر گئے تھے۔ یہ اکتالیس سال پہلے کی بات ہے۔''

''ینگ این، اس کے الفاظ نے مجھے سر سے پاؤں تک لرزا دیا۔اس وقت میں بھی پورے اکتالیس سال کا تھا۔''

اس کے بعد میں نے بوڑھی عورت سے پوچھا''کیا اس پیالے میں ڈریگن آئی راس گروایل ہے؟'' میرے الفاظ اس کی تھکی ہوئی بوڑھی آنکھوں میں زندگی کی رمق واپس لے آئے اور انہوں نے اس کے جسم میں جو اتنا لاغر لگتا تھا کہ چھونے سے ٹوٹ جائے، تھوڑی سی طاقت انڈیل دی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میز تک پہنچی اور پھر کسی جوان لڑکی کی طرح شرماتے ہوئے اپنے شوہر کی تصویر کی طرف دیکھا۔ اس نے دھیمی آواز سے میرے سوال کا جواب دیا، جی جناب۔ جب وہ زندہ تھے تو انہیں ڈریگن آئی رائس گروایل بہت پسند تھا اور چونکہ ان کے پھیپھڑے خراب تھے اس لئے انہیں یہ روزانہ کھانا پڑتا۔ مجھے ان کی وفات والا دن یاد ہے۔ میں نے ایک بازو پر ان کا سر تھاما ہوا تھا اور وہ دوسرے سے انہیں ڈریگن آئی رائس گروایل کھلا رہی تھی۔ میرے آنسو چمچے میں گرے۔ انہوں نے اپنا چہرہ اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر انہوں نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کر لیں۔

''بوڑھی عورت نے اپنا مرجھایا ہوا ہاتھ میز پر، جو کمرے میں موجود واحد صاف

چیز تھی، رکھ کر خود کو سہارا دیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اپنے خیالوں میں وہ اس دور میں واپسی جا چکی ہے جب وہ جوان عورت تھی۔ اس وقت، اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ میں صرف اکیس سال کی تھی اور ہماری شادی کو صرف چار سال ہوئے تھے۔ جناب، میں آپ کو یقین دلا سکتی ہوں کہ دنیا میں کوئی میاں بیوی ایک دوسرے سے اتنی محبت نہیں کرتے جتنی ہم ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ وہ جب بھی کھانستے، خوف سے میرا دل دہل جاتا۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے دوبارہ شادی نہ کرنے کا عہد کر لیا اور باقی تمام عمر اس عہد پر قائم رہی۔ وہ میرے منتظر ہوں گے اور ہم اپنے اگلے جنم میں دوبارہ میاں بیوی بن جائیں گے۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ایک سکول میں پڑھا کر اپنی کفالت خود کی۔ میری تنخواہ اتنی نہیں تھی کہ میں آرام دہ زندگی بسر کر سکتی، لیکن مجھے کوئی گلہ نہیں ہے۔ جب تک میں چاند کی ہر پندرہ تاریخ کو ڈریگن آئی رائس گروایل کی نیاز دے سکتی ہوں، میں مطمئن ہوں۔''

''جس دوران وہ بول رہی تھی میں نے ایک اور تصویر دیکھی۔ اس تصویر میں وہ دونوں اکٹھے تھے۔ نوجوان لڑکی، جس کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی، مسکرا رہی تھی۔ اسے صرف خوش شکل کہنا ناانصافی تھی............ وہ دل موہ لینے والے حسن کی مالک تھی لیکن صرف اکتالیس سال میں یہ خوبصورت جوان لڑکی ایک قابل رحم بوڑھی عورت میں تبدیل ہو گئی تھی۔

''میں اسے خدا حافظ کہنے اور واپس آنے ہی لگا تھا کہ مجھے یک دم احساس ہوا کہ وہ نوجوان شخص تو میں تھا۔ دراصل ایک دوسرے سے محبت کرنے والے میاں بیوی ہم دونوں ہی تھے اور میں نے اس کے بازوؤں میں جان دی تھی۔ میں نے اس سے بے وفائی کی تھی۔

''بعد ازیں میں نے اسے کچھ رقم بھیجنے کے متعلق سوچا تا کہ وہ اپنا بڑھاپا ذرا بہتر طریقے سے گزار سکے لیکن میں ایسا کرنے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈ سکا۔ دو دن پہلے جو مہینے کی پندرہ تاریخ تھی، مجھے خواب نہ آیا۔ میں جانتا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے۔ میں اسی وقت شن جو پہنچا اور جیسا کہ مجھے خدشہ تھا وہ بوڑھی عورت انتقال کر گئی تھی۔ اپنی وفات کے وقت وہ چولہے کے قریب کھڑی تھی اور چولہے پر ڈریگن آئی رائس گروایل کی دیگچی ابلنے

کے قریب تھی۔''

''ینگ این''اس نے کہا۔''میں واقعی تھک گیا ہوں۔''

میں نہیں جانتا تھا کہ اسے تسلی دینے کے لئے میں کیا کہوں۔ میں نے اسے کرسی سے اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا، جہاں اس نے اپنا سر کسی بے یار و مددگار یتیم بچے کی طرح تکیے میں چھپا لیا۔

MashalBooks.com

کونیکوموکودا (جاپان)

کونیکوموکودا 1929ء میں ٹوکیو میں پیدا ہوئیں انہوں نے جیسن ویمنز یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ڈراموں کی مصنفہ کی حیثیت سے اپنی شناخت کروانے سے پہلے انہوں نے غیر ملکی فلمی رسالے کے لئے بطور مدیر کام کیا، گو انہوں نے بے تحاشا لکھا ان کا زیادہ کام جاپان کے مشہور ''گھریلو ڈراما'' پر مشتمل ہے جو اہل خانہ کے عمومی تعلقات کی عکاسی کرتا ہوئے۔ ان کے ابتدائی کام میں پائی جانے والی خوش امیدی اس وقت ناامیدی میں بدل گئی جب انہوں نے اپنے خاندانوں کے بارے میں تحقیق کرنا شروع کی جن میں مطابقت اور باہمی مراسم کا فقدان تھا۔ 1978ء میں ان کے مضامین کا مجموعہ ''باپ کی طرف سے معذرت کے خطوط'' منظر عام پر آیا جسے خاص طور پر بہت پذیرائی ملی۔ یہ ان کے اپنے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے خاندان کے تجربات بیان کرتا ہے اس مجموعے نے ان کی ادبی شہرت میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا اور اب اسے عہد ساز دستاویز قرار دیا جاتا ہے۔ افسانہ ''شبہ'' جاپانی خاندانوں کے پیچیدہ تعلقات کے بارے میں آگہی دیتا ہے اور جاپانی متوسط طبقے کی زندگی کے نسبتاً کم لائق ستائش پہلوؤں کے بارے میں نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ بدقسمتی سے 1981ء میں موکودا، جب وہ اپنے ذاتی ادبی نشاط ثانیہ کے درمیان میں تھی تائیوان جانے والے ایک ہوائی جہاز کے حادثے میں بے وقت موت کا شکار ہوگئیں۔

شبہ

''میں مریض کے کمرے میں نہیں جا سکتا'' شیو زاوا بڑی اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے تب تک مریض کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے جب تک کوئی اور اس کے بستر کے پاس اس کی جگہ سنبھالنے کے لئے نہیں آ جاتا۔ اس کے باپ کے خراٹے پرائیویٹ ہسپتال کے کمرے میں گونج رہے تھے۔ تین روز پہلے وہ دماغی ہیمرج سے بے ہوش ہو گیا تھا اور تب سے ہوش میں نہیں آیا تھا۔ ابھی اس کی ستترویں سالگرہ کو گزرے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ اسے دوسری مرتبہ دماغی ہیمرج ہوا تھا اور شیو زاوا کو ابھی ابھی بتایا گیا تھا کہ اس کے صحت یاب ہونے کے امکانات کم ہیں۔ ہیمرج یعنی اسے بدترین کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ اس کے باپ کی موت آج آدھی رات اور طلوع سحر کے درمیان متوقع تھی۔ شیو زاوا کی بیوی نے وہاں بے چینی سے اس کے کام سے واپس آنے کا انتظار کیا تھا اور اب ماتمی لباس اور جنازے کی تیاریاں کرنے کے لئے گھر پر تھی۔

شیو زاوا نے سوچا کہ وہ تمام لوگ جن سے اس کے باپ کو ملنا چاہئے، جا چکے ہیں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی کیونکہ اس کا باپ فطرتاً سخت اور تنگ دماغ تھا۔ اپنی بیوی کی وفات کے بعد وہ مزید بدمزاج ہو گیا تھا۔ جب پہلے دماغی ہیمرج نے ایک سال قبل اسے بالکل مفلوج کر دیا تو لوگوں سے میل جول نہ رکھنے کی اس کی عادت میں مزید پختگی آ گئی بالآخر کمرے میں موجود پھول اور صحت یابی کی دعا کے ساتھ دیئے گئے تحائف محض رسمی تھے اور بطور کمپنی کے افسرِ اعلیٰ شیو زاوا کی حیثیت کا اعتراف تھے۔

کمرے سے باہر آسمان سرمئی ہونے کے بعد بالآخر تاریک ہو چکا تھا ایسا لگتا تھا کہ بتدریج بڑھتی ہوئی تاریکی میں اس کا باپ زندہ رہنے کے لئے مزید تھوڑی سی جگہ کے لئے جنگ لڑ رہا تھا۔

شیو زاوا نے سوچا ''میں اس کا بیٹا ہوں میرے لئے یہاں اس کے بستر کے پاس رہنا ضروری ہے'' مگر اپنے باپ کے کھلے ہوئے منہ سے آنے والی بدبو کی وجہ سے اسے کمرے میں ٹھہرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ اس کے باپ کی داڑھی بے ہوشی کے بعد بڑھتی رہی تھی اور اس کی کمزور ٹھنیوں کے غیر متناسب گٹھے سے مشابہ مونچھیں ہر

MashalBooks.com

سانس کے ساتھ لرز رہی تھیں۔ کمرے میں بدبو پوری طرح پھیلی ہوئی تھی چونکہ یہ بدبو اس کے باپ سے آ رہی تھی س نے سوچا کہ اسے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے۔ مگر یہ صرف بیمار آدمی کے گندے سانس کی بو نہیں تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ناگوار تھی جیسے گلی سڑی آنتوں کی سڑاند ہو۔

اس کا باپ ہمیشہ سے بہت محنتی تھا۔ وہ پرائمری سکول کا پرنسپل تھا جس نے ریٹائرمنٹ کی عمر کے کافی عرصہ بعد تک منتظم کی حیثیت سے کام جاری رکھا۔ شراب وہ صرف دعوتوں اور تہواروں کے موقع پر پیتا تھا اور وہ بھی مناسب مقدار میں۔ شیبو زاوا کی ماں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وہ جن لوگوں کو جانتی ہے، ان میں اس کا باپ واحد شخص ہے جو کبھی اپنی قمیص کا کالر گندا نہیں کرتا۔ گو اس کا باپ ہمیشہ سے ہی دبلا پتلا تھا، بڑھاپے میں وہ اس سوکھی ہوئی چھڑی کی مانند لگتا جو دو حصوں میں چٹخنے والی ہو۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے شیبو زاوا اکثر سوچا کرتا تھا کہ وہ سگریٹ ہولڈر جیسا لگتا ہے شکل اور بو دونوں میں۔

''یہ حیوانی سڑاند کیا ہے؟ کیا آدمی ایسی ناگوار بو کے بغیر نہیں مر سکتا''شیبو زاوا کو شک تھا کہ اس کے باپ کی موت متوقع وقت سے پہلے ہی واقع ہو جائے گی''میں اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ تمام رشتہ داروں کا خیال ہے کہ میں تابعدار بڑا بیٹا ہوں مجھے ان کی امیدوں پر پورا اترنا ہے۔ میں اپنی آنکھیں بھی اپنے باپ پر سے نہیں ہٹاؤں گا۔''

مگر بدبو ناقابل برداشت تھی۔ اسے شبہ تھا کہ اسی لئے اس کی بیوی اس کے آتے ہی فوراً چلی گئی، وہ بھی یہ بدبو برداشت نہ کر سکی تھی۔

''مجھے اخبار لے کر آنا چاہئے'' شام کے اخبار ہسپتال کے سٹال پر آ چکے ہوں گے گزشتہ چند دنوں سے اخبارات میں شیبو زاوا کے ایک شناسا جو ایک ملحقہ کمپنی میں افسر اعلیٰ تھا کے بارے میں خبریں چھپ رہی تھیں۔ شبہ تھا کہ وہ رشوت ستانی میں ملوث ہے۔ شیبو زاوا جانتا تھا کہ وہ محض بہانہ ہے، مگر پھر بھی وہ کمرے سے چلا گیا۔

جب وہ اپنے سیاہی سے داغدار ہاتھوں پر اخبار کے کاغذ کی تازہ بو کے ساتھ واپس آیا تو اس کے باپ کے خراٹے بند ہو چکے تھے۔ شیبو زاوا کو اس لمحے زیادہ غم محسوس نہ ہوا جیسے ہی اس نے نرس کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی اسے ایک خیال ستانے لگا کہ وہ رشتہ داروں کو کس طرح سمجھائے گا کہ اپنے باپ کے آخری لمحات میں وہ اس کے پاس نہیں

MashalBooks.com

تھا۔اس کی اپنی بدبو اس پر غالب آ گئی اور اس نے دوبارہ مزید زور سے گھنٹی بجائی۔ایسا کرتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کے باپ کی بدبو مکمل طور پر غائب ہو چکی ہے جیسے کبھی موجود ہی نہ ہو۔

’’نوبوچن کا کیا کرنا ہے؟‘‘شیئو زاوا کی بیوی خاندان کے لوگوں کو فون کر رہی تھی تا کہ انہیں رت جگے اور جنازے کی تیاریوں کے بارے میں بتا سکے۔نوبواو شیئو زاوا کا کزن تھا۔

’’میرے خیال میں اسے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں‘‘

اس کی بیوی نوبواو کے دفاع کو آئی: ’’مگر نوبوچن کا خاندان میں ہمارے سوا کسی اور کے ساتھ میل جول بھی تو نہیں ہے۔

’’وہ اب بچہ نہیں رہا تم اسے اب تک نوبوچن کیوں کہتی ہو؟‘‘

’’وہ تم سے بارہ سال چھوٹا ہے اس طرح وہ پینتیس کا ہوا‘‘

’’وہ اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں مگر وہ اب تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا،اس لئے کوئی اسے سنجیدگی سے نہیں لیتا‘‘

’’پیروں پر کھڑا نہیں ہوا‘‘ .... یہ اس کے باپ کا پسندیدہ کلمہ تھا۔ ہر خاندان میں ایک یا دو رکن رشتہ داروں کے لئے نا قابل قبول ہوتے ہیں اور نوبواو انہی میں سے ایک تھا۔اس نے کبھی ایک بار بھی کوئی مستقل نوکری نہیں کی تھی ایک بار اس نے یونیورسٹی میں باقاعدہ طور پر داخلہ لیا مگر جلد ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اس کے بعد جب بھی خاندان والے اس سے ملتے اس کی نوکری اور پتا مختلف ہوتا۔

ایک مرتبہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ شو بزنس ایجنٹ ہے اور شیئو زاوا کو اشتہاری تصویروں اور پیراکی کے لباس میں ملبوس ماڈلوں کی تصویروں سے بنا ہوا البم دکھایا تھا۔شیئو زاوا ان ’’ابھرتی ہوئی ماڈلو میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پہچان سکا تھا اور موقع پر نوبواو نے کہا تھا کہ وہ ’’انیا‘‘ ہے۔شیئو زاوا کا خیال تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی دکان چلاتا ہے جہاں کیک کے لئے دال کی میٹھی بھرت بنائی جاتی ہے۔مگر نوبواو نے وضاحت کی کہ وہ اور قسم کا ’’انیا‘‘ ہے............ ٹیلی ویژن کمپنیوں اور صنعت کاروں کے درمیان رابطہ افسر جس کا کام ٹیلی ویژن کے اشتہار پیش کرنے کے نت نئے انداز سوچنا ہے۔اس نے بتایا تھا کہ وہ یہ کام کمیشن کے لئے کرتا ہے۔ ہر مرتبہ نوبواو اپنی نوکری

MashalBooks.com

کے ساتھ ساتھ اپنی عورت بھی بدل لیتا، کبھی کبھی تو ایسا لگتا کہ وہ اپنی داشتہ کے زیر کفالت ہے۔ ایک مرتبہ وہ بہت غریب لگتا تھا حتیٰ کہ اس کا چہرہ بھی عجیب طور پر مختلف لگتا تھا پھر یک دم اس نے شیئو زاوا کو نئے سال کے تحفے کے طور پر بہترین کیکڑوں کا ایک بڑا ڈبا بھیجا تھا شیئو زاوا کا شکریہ کا خط واپس آ گیا کیونکہ نو بواو کا پتا نا معلوم تھا۔

''یہ درست ہے مگر تمہارے والد اسے پسند کرتے تھے'' شیئو زاوا کی بیوی نے کہا۔ شیئو زاوا کہنا چاہتا تھا کہ اگر تم اسے بتانا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی، میں تو نہیں بتاؤں گا مگر اس نے اپنے الفاظ نگل لئے اور نئے سال کے موقع پر آئے ہوئے کارڈ دیکھنا شروع کر دیئے تاکہ نو بواو کا تازہ ترین پتا معلوم کر سکے۔

خاندان کی تمام عورتیں نو بواو کو پسند کرتی تھیں وہ کچھ خاص وجیہ تو نہیں تھا مگر اس میں عجیب قسم کی جاذبیت تھی اور اسے عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنا آتا تھا شیئو زاوا یہ محسوس کر چکا تھا کہ نو بواو کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس میں جان پڑ جاتی اور عورتیں بات چیت کرنا اور بلا وجہ ہنسنا شروع کر دیتیں۔

ایک مرتبہ............ اسے یاد نہیں رہا تھا کہ کب .... اس کی سب سے بڑی بیٹی ایک دوست کی شادی سے واپس آئی اور نو بواو کو کھانے کے کمرے میں اپنی ماں کے ساتھ باتیں کرتے پایا۔ اپنی ماں کی طرح وہ بھی کفایت شعار قسم کی تھی اور عام حالات میں اپنا کمونو تقریب کے بعد اتار دیا کرتی تھی تاکہ وہ خراب نہ ہو جائے۔ مگر اس مرتبہ اس نے اپنا لباس تب تک تبدیل نہ کیا جب تک نو بواو چلا نہ گیا۔ وہ اپنے بہترین کپڑوں میں ہی نو بواو کے پاس بیٹھ کر کیک کھاتی اور چائے پیتی رہی۔

شیئو زاوا اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ایسے شخص کے لئے دکھاوا کرنے کا کیا فائدہ؟ بہرحال اس نے محسوس کیا کہ صرف اس کی بیٹی نے ہی ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی بیوی بھی پوری توجہ سے نو بواو کے گرد منڈلاتی رہی۔ بظاہر اس کے کئی سال پہلے کہی ہوئی ایک بات یاد کرتے ہوئے اس نے اسے نمک لگی سامن مچھلی پیش کی: ''تمہیں درمیانہ بھونا ہوا پیٹ کا گوشت پسند ہے نا نو بوچن؟'' اس کی بیوی نے کبھی اکیلے میں بھی اس کے ساتھ اتنے خوشگوار لہجے میں بات نہیں کی تھی بات یوں تھی کہ شیئو زاوا کو سامن کا وہ ٹکڑا خود پسند تھا اور وہ خفا تھا کہ اس کی بیوی نے وہ اس کی بجائے نو بواو کو کیوں پیش کیا۔ اس سے بڑھ کر کیا بات ہوتی ہے کہ اس کی بیوی نے گاہے بگاہے سر ہلاتے ہوئے نو بواو کی ہر بات بڑے

جوش وخروش سے سنی اور ساتھ ساتھ چائے کے روغن شدہ کالے ڈبے میں چوری چھپے اپنے چہرے کا عکس دیکھتی رہی۔ شیئو زاوا یہ سب محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''جب بھی نوبوچن کا نام آتا ہے تم اس طرح بات کرتے ہوئے جیسے تمہیں اس سے نفرت ہو'' اس کی بیوی نے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ پہلے والا قصہ دوبارہ نہ دہرایا جائے''

''پہلے والا قصہ؟ تمہارا مطلب ہے جو کچھ جنازے کے موقع پر ہوا؟''

''ہاں میں رشتہ داروں کے درمیان لڑائی نہیں چاہتا''

''مگر تم نے اسے ایسا کرتے ہوئے پکڑا تو نہیں تھا''

''اور کون ایسا کرے گا''

دو سال پہلے شیئو زاوا کے خاندان کے ایک رکن کے جنازے کے موقع پر پچاس ہزار ین کا ایک تفریحی تحفہ غائب ہو گیا تھا۔ اس وقت نوبواو آتا ہوا دکھائی دیا گیا تھا۔ گو اس وقت اس نے ایسی باتیں کی تھیں جیسے اس کے حالات اچھے ہوں۔ حقیقت میں وہ ٹوٹا پھوٹا لگتا تھا۔ اس نے صرف علامتی تحفہ پیش کیا تھا۔ شاندار ڈبے میں گھٹیا لوبان کے گھٹے۔ یہ افواہ بھی سننے میں آئی تھی کہ اس نے خاندان کی ایک امیر بیوہ سے ادھار مانگنے کی ناکام کوشش کی ہے چونکہ ان رسومات کی نگرانی شیئو زاوا ادا کر رہا تھا۔ اسے بہت شرمندگی اٹھانا پڑی وہ نوبواو کے سامان کی تلاشی لینے پر بضد تھا مگر اس کی بیوی اور دوسری عورتوں نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا کیونکہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ کوئی رشتہ دار متوفی کی موجودگی میں شرمندہ ہو۔

شیئو زاوا نے اس معاملے کو ترک کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے شکوک کا اظہار خود نوبواو سے کیا مگر وہ ڈٹا رہا۔ اس کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے نوبواو نے تمام غیر شادی شدہ خواتین اور بچوں کو اپنے گرد جمع کر لیا اور اپنی لمبی پتلی انگلیوں سے ہم نوا لڑکیوں کی نقل کرنے کا عامیانہ مظاہرہ کیا جب شیئو زاوا نے اس کی مخروطی انگلیوں کو ناچنے والیوں کی ٹانگوں کی طرح اوپر نیچے جاتے دیکھا تو اسے یہ قریب قریب فحش لگا ''موقع محل تو دیکھو'' وہ اعتراض کرنا چاہتا تھا۔ اپنے آپ پر ضبط کرنے کے لئے وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔

اب وہ خود سوگوار تھا۔ شاید خود کو مطمئن کرنے والی باعزت ہونے کی ایسی کیفیت کو محسوس کرنا غلط تھا کیونکہ ابھی ابھی وہ اپنے باپ سے محروم ہوا تھا مگر اس نے اسی طرح محسوس کیا۔ تجہیز و تکفین اور اس سے متعلق تمام رسومات کا بندوبست اس کی کمپنی نے کر دیا۔ یہ سب اس کے اعلیٰ عہدے کی عکاسی کرتا تھا۔ جن رشتہ داروں سے اس کی بول چال تھی وہ آئے اس کے دوستوں نے بھی تعزیتی دورے کئے۔ کسی اداکار کی طرح غم زدہ ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے احساس گناہ محسوس ہوا، مگر اس نے خود سے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ''زندگی میں ہر اہم موقع اس طرح کی اداکاری کا تقاضا کرتا ہے''

سوشی کا ایک بڑا روغن شدہ ڈبا ان کے باورچی خانے کے دروازے تک پہنچایا گیا یہ سٹیشن کے قریب ایک بڑی دکان سے آیا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ جس کسی نے بھی یہ سوشی بھجوائی ہے اپنا نام نہیں بتایا اس نے دکان والوں کو صرف یہ بتایا تھا کہ بیس لوگوں کے لئے اعلیٰ ترین معیار کی سوشی کہاں پہنچانی ہے۔ شیوزاوا اور اس کی بیوی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نوبواو۔ یہ اسی کا انداز ہ تھا بشرطیکہ وہ مالی طور پر آسودہ ہو لوگوں کو حیران کرو پھر یک دم ظاہر ہو جاؤ۔

شیوزاوا اس سے کہنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ یہ کسی چلتے پھرتے تھیٹر کی تیسرے درجے کی پیشکش نہیں ہے اور وہ اسے نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرے۔ مگر پھر اس نے دیکھا کہ بچوں نے پہلے ہی سوشی سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیا ہے اور یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

نومولود تھوڑی دیر کے بعد آیا۔

''اس مرتبہ سب ٹھیک رہے گا اس نے نئے جوتے اور نیا سوٹ پہنا ہوا ہے'' شیوزاوا کی بیوی نے سرگوشی کی۔

''اپنی آنکھیں اس پر سے نہ ہٹانا۔ میں کمپنی کے ملازمین کے سامنے شرمندہ ہونا برداشت نہیں کر سکتا'' وہ بغیر محسوس کئے اپنی آواز اونچی کر رہا تھا اور اس کی بیوی کو اسے چپ کروانا پڑا۔

نوبواو نے شیوزاوا کے سامنے تعظیماً سر خم کیا اور بڑے تقریباتی انداز میں قربان

گاہ کے سامنے رکھے ہوئے تابوت کی طرف چل پڑا۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جو وہ خاص طور پر ایسے موقعوں کے لئے بچا کر رکھتا تھا۔ اس نے تعزیتی تحفہ پیش کیا اور شائستگی سے لوبان جلایا۔ دعا کے لئے ہتھیلیاں جوڑتے ہوئے وہ بڑے قابل ذکر انداز میں ہچکیاں لے کر رویا۔ یہ شیوزاوا کی برداشت سے باہر تھا۔ جب متوفی کا سب سے بڑا بیٹا آنسو نہیں بہا رہا تو دور کے رشتہ دار کو ایسا دکھاوا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نوبواو کے کالے سوٹ کو قریب سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ وہ سادہ کپڑے کا نہیں بلکہ مچھلی کی کھال کے چھوٹے دھاگے کا بنا ہوا ہے۔ اس بات نے شیوزاوا کو صحیح معنوں میں اشتعال دیا اور اسنے نوبواو کے لوگوں کو متاثر کرنے کے نظریے سے اپنائے گئے مخصوص انداز کے بارے میں خود سے کہا۔ یہ شخص لوگوں کا منظور نظر بن کر اور فائدے حاصل کر کے ترقی کرتا ہے۔

نوبواو تعزیت کرنے شیوزاوا کے پاس آیا۔ شیوزاوا نے اپنی آنکھیں بند رکھیں وہ اپنے سانس کے ساتھ لوبان اور پھولوں کی خوشبو اندر کھینچتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ گھر کا ہر کونا خوشبو سے مہک رہا ہے۔

یک دم گھر کی دہلیز پر ہلچل سی مچ گئی سرگوشیاں ہونے لگیں کہ افسر اعلیٰ کوجی راؤ کا کی بیگم آ گئی ہیں۔

''سابق افسر اعلیٰ کی بیگم''

''صرف مسز کوجی راؤ کا ہی کافی ہے'' لوگ ایک دوسرے کی بات کاٹ رہے تھے۔

یہ کمپنی کے ایک سابق افسر اعلیٰ کوجی راؤ کا کی بیوہ تھی جو چھ ماہ پہلے انتقال کر گیا تھا۔ انتقال سے ایک سال پہلے کوجی راؤ کا کو نوکری سے برخاست کر کے اس کی جگہ شیوزاوا کو تعینات کر دیا گیا تھا۔ ناامیدی سے اسے اعصابی کمزوری ہو گئی اور کثرت شراب نوشی اور نیند کی گولیوں کے باعث اس کی موت وقت سے پہلے ہی واقع ہو گئی۔ کوجی راؤ کا کے جنازے کی رسومات کی نگرانی شیوزاوا نے کی تھی۔ اب کوجی راؤ کا کی بیوی اس کے باپ کی وفات پر تعزیت کرنے اور اپنے خاوند کے موقع پر اس کی طرف سے کی گئی مدد پر از سر نو اظہار ممنونیت کرنے آئی تھی۔ اس نے کہا کہ جو کچھ شیوزاوا نے اس کے لئے کیا تھا اس

کے مقابلے میں وہ اس کیلئے کچھ بھی نہیں کر سکی۔ اس بات کی معذرت کرنے کے بعد وہ چلی گئی۔

''کوجی راؤ کا'' شیوزاوا کے بالکل پیچھے نوبواو یہ نام بڑبڑا رہا تھا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شیوزاوا کے لئے اس کا مطلب بالکل واضح تھا اس نے سوچا کہ آخر کار نوبواو وہیں تھا۔ اس شام اس نے میری باتیں سن لی تھیں اسے لگا جیسے کوئی اس کی پیٹھ میں چھرا گھونٹ رہا ہے۔

شیوزاوا جانتا تھا کہ کوجی راؤ میں کچھ اخلاقی خامیاں ہیں۔ اگر راستہ صاف ہوتا تو وہ رفتار کی حد توڑ دیتا اگر اسے پوری طرح یقین ہوتا کہ وہ پکڑا نہیں جائے گا تو وہ چھوٹا موٹا غیر قانونی کمیشن قبول کر لیتا۔ وہ کاروباری دوروں کے دوران وہ لاتعداد موقعوں پر عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھ چکا تھا۔ وہ یہ جاننے سے نفرت کرتا تھا کہ قابل عزت اور اچھی شہرت والے کاروباری شخص کی شخصیت کا یہ تاریک پہلو بھی ہے مگر وہ اپنے آپ کو دلاسہ دیتا کہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں ہر کوئی کسی نہ کسی وقت میں ایسا کرتا ہے۔

پھر بھی ایک بات ایسی تھی جسے شیوزاوا بالکل یاد نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ خود اپنے آپ کو نہیں سمجھا پایا تھا کہ اس نے ویسا کیوں کیا۔ گرمیوں کی ایک شام اس کی بیوی اور بچے تھیٹر دیکھنے گئے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتا وہ کیا کر رہا ہے اس نے ٹیلی فون اٹھایا اور کمپنی کے چیئرمین کے گھر کا نمبر ملا دیا۔ اس سے پہلے کہ چیئرمین کی کھردری آواز سنائی دیتی وہ اپنا منہ رومال سے ڈھانپ چکا تھا اس نے چیئرمین کو کوجی راؤ کا کے تمام راز بتا دیئے............ اس گھر کے بارے میں جو اس نے ناجائز کمیشنوں سے بنایا تھا اور عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کے بارے میں۔ جب شیوزاوا نے اس یک طرفہ گفتگو کے بعد فون رکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ گھر میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔

نوبواو باورچی خانے میں کھڑا پانی پی رہا تھا۔

''تم ہمارے گھر سامنے کے دروازے سے آیا کرو''۔ شیوزاوا خود اپنی کپکپاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔

''کیا تم گھر پر اکیلے ہو؟'' نوبواو کا غیر رسمی سوال اس کے لئے باعث اطمینان

تھا۔

لیکن وہ سن چکا تھا۔

''میں نے سنا ہے کہ نوبوچن نے پچاس ہزار ین کی تعزیتی رقم دی ہے'' اسے اپنی بیوی کی آواز سنائی دی جیسے کہیں دور سے آ رہی ہو۔

جنازے کے سامنے شب بیداری کے دوران شیوزاوا نے نوبواو کو چھیڑنا شروع کر دیا اس وقت تک کمپنی کے ملازمین اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے اور صرف قریبی رشتہ دار موجود تھے چونکہ آج رت جگے کی دوسری رات تھی ان میں سے زیادہ تر تھکن کی زیادتی سے سو گئے۔صرف نوبواو شیوزاوا اور اس کی بیوی جاگ رہے تھے۔

شراب شیوزاوا کو مزید چڑ چڑا بنا رہی تھی'' کیا 50,000 ین تمہاری حیثیت کے آدمی کے لئے بہت زیادہ نہیں ہیں؟ یا تم ماضی کی کسی غلطی کا کفارا ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہو'' شیوزاوا کا اشارہ یقیناً خاندان کے دوسرے جنازے کے موقع پر تعزیتی رقم کی چوری کی طرف تھا۔

نوبواو نے صرف اپنا سر کھجایا اور کہا'' میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہیں تکلیف دی ہے میں وہی کروں گا جو میں ان حالات میں کر سکتا ہوں'' اور اس نے شیوزاوا کو مزید طنز کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔

''میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو ہفتہ کو تھوڑی سی رقم ادھار لیتا ہے اور اگلے دن صرف اس لئے بھلا دیتا ہے کہ چھٹی ہے۔ اگر اسے رقم کی ضرورت ہے تو پیر کو لینی چاہیے اور اتنی لینی چاہیے کہ اسے یاد رہے۔تم صرف اس وقت ہمارے پاس آتے ہو جب تم محسوس کرتے ہو کہ تم بڑے آدمی ہو اور اپنے ملاقاتی کارڈ لوگوں میں بانٹ سکتے ہو۔''

شیوزاوا کے لئے نوبواو کو ناراض کرنا ضروری تھا۔صرف اسی صورت میں وہ واقعی معلوم کر سکتا ہے کہ اس رات نوبواو نے اسے کوجی راؤ کی غیبت کرتے سنا تھا یا نہیں۔

''کیا تم اس طرح کی بات کر کے مجھ سے پیچھا چھڑا لو گے؟ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟'' اگر نوبواو جواباً ایسی کوئی بات کہہ دیتا تو اسے اس دم بند کرنے والے تجسس سے نجات مل جاتی۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے وہ ''شبہ'' کھیل رہے ہو۔ تاش کی اس کھیل میں پتے عددی ترتیب کے اعتبار سے پھینکنے ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو جائے کہ دوسرا کھلاڑی

غلط پتا پھینک رہا ہے تو وہ ''شبہ'' کہہ سکتا ہے۔ اگر اس کا اندازہ درست ہو اور وہ واقعی صحیح پتا نہ ہو تو اسے پوائنٹ مل جاتا ہے، مگر دوسری صورت میں اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑتی ہے۔

شیوزاوا جانتا تھا کہ اگر اس کی اس رات کی کارگزاری کے بارے میں ایک لفظ بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو اس کی شہرت تباہ ہو جائے گی اور اس کی بیوی بھی اس سے نفرت کرے گی مگر اس کی مسلسل بے یقینی کہ نوبواو نے فون پر اس کی بات سنی تھی یا نہیں کے مقابلے میں یہ قریب قریب بہتر ہوتا کہ سب کو معلوم ہو جاتا شیوزاوا ''شبہ!'' پکار رہا تھا لیکن نوبواو نے اس کے اشتعال دلانے والے جملوں پر توجہ نہ دی۔ شراب پی اور سو گیا۔

شیوزاوا کو شبہ کھیلنا اس کے باپ نے سکھایا تھا بچپن میں بھی وہ اندازے لگانے میں اچھا تھا اور اس کا باپ اکثر دھوکا کھا جاتا تھا جب وہ صحیح پتے پھینک رہا ہوتا تو اس کا باپ ''شبہ'' کہہ دیتا اور ہار جاتا۔

گرمیوں میں ایک چھٹی والے دن جب شیوزاوا دوسری یا تیسری جماعت میں پڑھتا تھا اس کے باپ نے اسے نیم تاریک تاشی کاوا ریلوے سٹیشن میں ایک گھنٹہ انتظار کروایا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ مچھلیاں پکڑنے اور کوٹا مالے کر گیا تھا۔ واپسی پر اسے ریلوے سٹیشن کے گیٹ پر روک لیا گیا۔ شیوزاوا لکڑی کے بینچ پر بیٹھا اکیلا اس کا انتظار کرتا رہا ایک نہ ختم ہونے والے انتظار کے بعد اس کا باپ سٹیشن ماسٹر کے دفتر سے ظاہر ہوا۔ یک دم وہ بہت بوڑھا لگتا تھا۔

سٹیشن سے باہر نکلتے ہوئے اس کے باپ نے کچھ نہ کیا۔ پھر اس نے خاموشی سے شیوزاوا کو چاول اور مچھلی کھلائی۔ شیوزاوا نے محسوس کر لیا کہ اس کا باپ غلط پتا پھینک بیٹھا تھا۔ وہ پورا کرایہ نہ دینے کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ شیوزاوا یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے یہ بات اپنی ماں اور چھوٹے بہن اور بھائی کو نہیں بتائی مگر اس کے باپ کو شک تھا کہ وہ یہ بات باقی گھر والوں کو بتا دے گا۔ شیوزاوا کو شک تھا کہ اسی لئے اس دن کے بعد اس کے باپ نے کبھی اس سے اپنے دل کی بات نہ کی اور نہ ہی پہلے جتنا پیار کیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس نے میری گفتگو نہ سنی ہو؟ یا یہ صرف ایسا ظاہر کر رہا ہے؟ میں اس نکمے انسان کے رحم و کرم پر ہوں اور اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا اگر میں

MashalBooks.com

''شبہ'' کہہ بھی دوں تو مجھے تب تک حقیقت کا علم نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے پتے سیدھے نہیں کر لیتا'' شیوزاوا اپنے خیالات کو روکنے سے قاصر تھا۔

اس کے سامنے ایک مرتبہ پھر ریلوے سٹیشن سے باہر آتے ہوئے اپنے باپ کے جھکے ہوئے چہرے کا منظر آ گیا'' میرے باپ نے جو باعزت اور باکردار شخص تھا گرمیوں کی اس شام سمجھوتا کر لیا اور میں نے بھی..........موت سے پہلے میرے باپ سے آنے والی سڑاند میری بھی ہے۔شاید نوبواو نے میرے جیتے جاگتے گلنے سڑنے کی بدبو کا اندازہ لگا لیا ہو''

یکا یک اس کے باپ کی یاد شدید نفرت اور محبت دونوں کے ساتھ اس پر حاوی ہوگئی۔شیوزاوا نے ،آگ جو تقریباً بجھ چکی تھی ، میں لوبان کے چند اور ٹکرے ڈالے اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک نئی لکڑی بھی جلائی ۔

MashalBooks.com

یوشیکو شیبا کی (جاپان)

یوشیکو شیبا کی 1914ء میں پیدا ہوئیں۔انہوں نے اپنے مقامی فرسٹ ویمنز ہائر سکول ٹوکیو سے گریجویشن کی۔ وائی ایم سی اے ویمنز اکیڈمی میں انگریزی پڑھی اور ٹائپنگ سیکھی اور مشوبوشی سنٹر فار اکنامک سٹڈیز کے لئے کام کیا۔ان کے ابتدائی ادبی کام نے ناول نگار فومیکو ہایاشیکی تنقیدی وجہ مبذول کرائی۔ 1941ء میں ان کی کہانی ''پھل اور سبزی منڈی'' شائع ہوئی۔اس کہانی سے جسے اکوتا گاوا قومی ادبی انعام بھی ملا وہ اپنی شناخت کرانے میں کامیاب ہوگئیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد شیبا کی کے تین ناول اور افسانوں کے بہت سے مجموعے شائع ہوئے۔ان تحریروں میں گہرا معاشرتی احساس اور سیدھا سادا بیانیہ انداز نمایاں ہے۔ 1955ء میں ان کے افسانوں کا مجموعہ ''روشن دماغ عورت۔'' شائع ہوا جس میں انہوں نے ''اندرون شہر کے اطوار اور انسانی تعلقات کو موضوع بنایا تھا۔ بعد میں یہی موضوعات ان کی پہچان بن گئے۔''برف کی پھوار'' جو جنگ عظیم دوم کے بعد ہونے والی تیز رفتار ترقی کی عکاسی کرتی ہے بھی انہی موضوعات میں سے ایک موضوع ہے۔شیبا کی کی ''سہ المیہ آپ بیتی'' اب میجی تائی شوا اور شووا کے ادوار میں خواتین کی زندگی کی اہم ترین تاریخ تصور کی جاتی ہے۔شیبا کی کا انتقال 1991ء میں ہوا۔

برف کی پھوار

جب ٹرین شی لویا سٹیشن کے نزدیک پہنچی تو قریب قریب اندھیرا چھا چکا تھا۔ کانا کو، نے کھڑکی سے نیچے سڑکوں کی طرف دیکھا۔ ڈوگن ذاکا کی طرف جانے والے چوراہے کا سگنل یقیناً سبز ہو چکا تھا کیونکہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد چوڑی گزرگاہ کی طرف بڑھی۔ اس مصروف ہجوم کو دسمبر کے مہینے میں گھومتے پھرتے دیکھ کر کانا کو لگا کہ حقیقت میں انہیں صرف بغیر کسی مقصد کے گھسیٹا جا رہا ہے۔ ٹرین سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچ کر رک گئی۔

کانا کو ٹرین سے اتری اور باہر نیشن پلازا میں گئی تا کہ اس وسیع ہجوم کا حصہ بن سکے رات کے وقت وہ سڑک کسی اداس دریا کی مانند تھی لہر کے ساتھ کوڑا کرکٹ بہہ رہا تھا۔ لوگوں کو اکٹھے بہایا اور پھر بھنور میں پھنسایا جا رہا تھا۔ شہر میں ضرورت سے زیادہ بے مقصد روحیں تھیں۔ اس کی طرح کے بغیر گھر اور خاندان والے فراغت سے آوارہ گردی کرتے ہوئے لوگ۔ کانا کو لکڑی اور اینٹوں کی عمارت میں بہت سے ڈبوں کی طرح قطار میں کھڑے ہوئے اپارٹمنٹوں کو گھر نہیں سمجھتی تھی۔ نہ ہی وہ سمجھتی تھی کہ محض اکٹھے رہنا مرد اور عورت کو خاندان بنا دیتا ہے۔ کیا یہی وجہ تھی کہ اس کے پاس اب تک ایسا کچھ نہیں تھا جس میں اسے سکون مل سکتا؟ وہ ڈوگن ذاکا کی طرف چلنے لگی۔ آخر کار وہ صحیح عمارت تک پہنچ گئی۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر واقع ایک چھوٹے ریستوران میں پہنچی۔ وہ یہ جگہ تھی جہاں وہ اور ہوری نوبوتا کا مہینے میں ایک مرتبہ رات کے کھانے کے لئے اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ شاید اس لئے کہ ابھی تک زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کھڑکی کے ساتھ والی ایک میز خالی تھی۔ جب تک وہ لوگوں کی فوج ظفر موج کو سڑک پر سے گزرتے ہوئے دیکھ سکتی نوبوتا کا کے دیر سے آنے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ یکے بعد دیگرے لوگ مادی شکل اختیار کرتے اور پھر خالی پرچھائیوں میں گھل مل جاتے۔ آج جب کام ختم کرنے کے بعد کانا کو شیما ڈیزائن سٹوڈیو سے باہر آ رہی تھی تو شیما نے اسے بلایا تھا۔ آج تنخواہ ملنے کا دن تھا اور عام طور پر مصروف سٹوڈیو میں کوئی بھی باقاعدہ اوقات کار کے بعد کام نہیں کر رہا تھا۔

MashalBooks.com

سٹوڈیوایک چھوٹی دفتری عمارت میں ایک کمرے پر محیط تھا اور اس میں شیما کو شامل کر کے صرف پانچ لوگ ملازم تھے۔ کانا کو دفتر میں کام کرنے والی واحد خاتون تھی لہٰذا اس کی سب سے اہم ذمہ داری چائے بنانا اور پیش کرنا تھی۔ مگر سٹوڈیو میں ایک سال کام کرنے کے بعد اس نے ایک ڈیزائن اکیڈمی میں دو سال رات کی کلاسیں پڑھ لی تھیں اور اب اسے کسی حد تک اصلی کام میں ہاتھ بٹانے کی اجازت تھی۔

''سب لوگ کرسمس پر میرے گھر آئیں گے ٹھیک؟ سکی ایک اور مہمان کو لا رہا ہے۔ میں تمہیں اس سے متعارف کروا دوں گا۔''

بولتے ہوئے شیما کے لمبے بال ہل رہے تھے۔ سکی شیما کا دوست تھا اور اکثر اس سے ملنے سٹوڈیو آتا تھا۔ کانا کو نے اوپر دیکھا اور مسکرائی۔ ہر سال کرسمس پر تمام عملہ شیما کے گھر مدعو ہوتا اور اس کی بیوی یوشیکو کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتا۔ یوشیکو زندہ دل اور خوش باش عورت تھی اور بہترین کھانا بناتی تھی۔

گاہکوں نے ریستوران کی باقی میزوں پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ مگر ابھی تک نوبوتا کا کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس بات نے کانا کو کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ شاید وہ نہ آئے۔ وہ ہمیشہ دیر سے آتا تھا اور انتظار کرتے ہوئے کانا کو کبھی بھی اس کا احساس سے چھٹکارا نہ پا سکی تھی کہ وہ نہیں آئے گا۔ دونوں کے اپارٹمنٹ ایک ہی ٹرین سٹیشن سے پیدل فاصلے پر واقع تھے مگر کانا کو ایسا لگتا تھا کہ ایک دن نوبوتا کا شاید یکدم اپنے اپارٹمنٹ سے غائب ہو جائے گا۔ اگرچہ نوباتا کا محض دوسرے درجے کا فلمی مصنف تھا پھر بھی اگر کانا کو اسے تلاش کرتی تو شاید ڈھونڈ لیتی۔ مگر اس نے ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے زیادہ اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ مسلسل شے میں گرفتار تھی کہ وہ غائب ہو جائے گا۔ جن اپارٹمنٹوں میں وہ رہتے تھے وہ محض دو چھوٹے ڈبے تھے اور ان میں سے کسی ایک کے دوسرے کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہو جانے سے کوئی خاص فرق نہ پڑتا لیکن نوبوتا کا نے اسے کبھی ایسا کرنے کے لئے نہیں کہا تھا اور وہ خود بھی کبھی اس امکان کو سامنے نہیں لائی تھی۔ ان کے درمیان ہونے والی بات چیت سے اسے مبہم طور پر معلوم تھا کہ اس کا تعلق کہاں سے ہے اور اس کے رشتہ دار کیا کرتے ہیں مگر اس کا ایسے شخص سے مزید معلومات حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا جو کسی کے پوچھے بغیر اپنے متعلق کچھ نہ بتائے۔ جہاں تک کانا کو کا اپنا تعلق تھا۔ اس کے پاس نوبوتا کا کو اپنے بارے میں بتانے کے لئے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ شاید وہ شہر میں

لہروں کے رحم و کرم پر تیرتے ہوئے بے جڑ کے آبی پودوں کی طرح تھے یا پھر ندی میں تیرتے ہوئے پتے اسی قسم کی کوئی چیز اور کسی بھی طرح معاشرے کے فعال رکن نہیں تھے۔ کا نا کو گھر کے بغیر کسی ایسی جگہ کے بغیر جہاں واپس جایا جا سکے، ہونے کا خالی پن بالکل اسی طرح محسوس کیا کرتی تھی جس طرح چھوٹی عمر میں اپنے والدین کو کھونے کا اور کسی ایسے شخص کے نہ ہونے کا جس سے وہ رجوع کر سکے۔ کبھی کبھی وہ ایسے گھر اور علاقے کا خواب دیکھا کرتی تھی جسے وہ اپنا کہہ سکے۔

کا نا کو نے ایک مرتبہ نو بوتا کا کو اپنے والد کے متعلق بتایا تھا۔ وہ ایک چھوٹے درجے کے سرکاری ملازم تھے جنہوں نے اپنی زندگی ایک کے بعد دوسری ذمہ داری نبھاتے ہوئے گزار دی تھی۔ کا نا کو نے چار مرتبہ ابتدائی سکول بدلا تھا اور اسے اپنے مقامی علاقے چیبے سے بھی زیادہ واضح طور پر وہ گھر یاد تھا جو اس کے والد نے گوما میں پرانی شاہراہ کے قریب واقع ایک قصبے کے نواح میں کرایہ پر لیا تھا۔ اس گھر میں ایک باغیچہ تھا جس کے کونے میں پولو نیا کا ایک بڑا درخت اگا ہوا تھا۔ یہ مکان ان تمام مکانوں سے زیادہ کشادہ تھا جن میں کا نا کو اس سے پہلے رہ چکی تھی اور اسی کے دھوپ بھرے برآمدے سے اس نے پہلی مرتبہ پولو نیا کے ارغوانی پھولوں کو دیکھا۔ بیٹھک میں ایک بڑا ''کوتاتسو ہاتھ پاؤں گرم رکھنے کے لئے زمین میں گڑی انگیٹھی پر گدوں سے منڈھا ہوا ٹھاٹھر تھا جہاں بیٹھ کر سردیوں میں اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ رات کا کھانا کھانا کا نا کو کو اب تک یاد تھا۔ یہ آخری موقع تھا جب اس نے خاندانی زندگی کی قربت کا تجربہ کیا۔ اس مکان سے جانے کے فوراً بعد ہی کا نا کو کی والدہ چھاتی کے کینسر سے انتقال کر گئیں۔ اس کے بعد کا نا کو کو صرف آندھیوں سے تباہ شدہ گھر یاد ہیں۔ کا نا کو کے والد کا انتقال اس سال ہوا جس سال اس نے ہائی سکول سے گریجویشن کی جب اس کے بھائی نے اگلے سال گریجویشن کی تو وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ہوکیدو کے ایک کالج میں داخل ہو گیا۔ کا نا کو ٹوکیو آ گئی اور ایک تعمیراتی کمپنی میں نوکری ڈھونڈ لی۔ تین سال بعد اس نوکری کو خیر باد کہہ کر وہ شیما ڈیزائن سٹوڈیو میں ملازم ہو گئی۔ وہ اخبار میں ان کا اشتہار دیکھنے کے بعد انٹرویو دینے چلی گئی تھی مگر اسے پوری طرح یقین نہ ہوا کہ وہ واقعی اسے باقاعدہ تنخواہ دینے کے قابل بھی ہوں گے یا نہیں۔

شیما ڈیزائن سٹوڈیو تین لوگوں سے شروع ہوا تھا جن کا بنیادی کام دودھ اور

مکھن کی مصنوعات بنانے والے ایک کارخانے کے لیے کنٹینرز ڈیزائن کرنا تھا۔ کارخانے کی طرف سے ملنے والے کمیشنوں سے ان کا کاروبار مستحکم ہو گیا تھا اور اب وہاں پانچ ملازم تھے۔ کم تعداد میں ہونے کی وجہ سے ہر کوئی مصروف رہتا اور باقاعدہ اوقات کار کے بعد بھی بہت کام کرتا۔ اپنی استعداد سے زیادہ کام کرنا ان کی بقا کے لیے ضروری تھا۔ کانا کو ہر ممکنہ طریقے سے سٹوڈیو کی مدد کرنے کی خواہش کی وجہ سے ہی ڈیزائن اکیڈمی میں رات کی کلاسیں پڑھنے جاتی تھی۔

نوبوتا کا ریستوران کی سیڑھیوں کے اوپر نمودار ہوا۔ اپنے دبلے پن کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی لمبا لگ رہا تھا۔ اس کا چہرا اجڑا اجڑا تھا اور وہ اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا مگر اس کی شخصیت میں کسی قسم کا بھدا پن نہیں تھا۔ اس کی اعصابی تنگ مزاجی کے باوجود کانا کو اس لمحے خود کو اس کی طرف مائل ہوتا ہوا محسوس کرتی جب وہ ڈھیلا پڑ جاتا اور نیک نیتی سے مسکراتا۔ جب نوبوتا کا سیڑھیوں سے کانا کو کی طرف آ رہا تھا تو اس نے اپنے آپ سے کہا کہ بالآخر وہ آ گیا ہے اور آج ایک مرتبہ پھر وہ اس سے مل لے گی اس نے نوبوتا کا سے کچھ نہ کہا۔ وہ میز پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے، ہوا سے اکٹھے اڑتے ہوئے دو پتوں کی طرح۔

''تم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟''

نوبوتا کا کے سوال نے کانا کو کی پیش قدمی روک دی۔

''کوئی خاص بات نہیں۔''

کانا کو نے کھڑکی سے باہر نیچے سڑک کی طرف دیکھا جو چمک دار روشنیوں سے آراستہ تھی۔

''اتنے زیادہ لوگ آ جا رہے ہیں۔ شاید اس لیے کہ آج ہفتہ ہے۔ ہاداجو کو کی حالت اس سے بھی خراب ہوگی۔ ہر کسی کے کندھے دوسروں سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ کیا تمہیں دوسرے لوگوں سے ٹکرانے سے نفرت نہیں ہے؟''

''تم کس چیز کے متعلق سوچ رہی ہو؟''

نوبوتا کا نے نوجوان لوگوں سے ٹھسا ٹھس بھری ہوئی سڑکوں کی طرف دیکھا مگر جلد ہی کھانوں کی فہرست اٹھا لی۔ اگرچہ اس نے کبھی کوئی خاص چیز نہیں منگوائی تھی، تاہم انتخاب کرنے میں وہ بہت محتاط تھا۔ کانا کو اس کی منگوائی ہوئی ہر چیز کھا لیتی۔ اس کے لئے

نو بوتا کا کا سامنے ہونا ہی کافی تھا۔ اسے باہر بلا وجہ ادھر ادھر گھومنے والوں میں شامل نہ ہونے پر اطمینان محسوس ہوا۔

ڈیزائن اکیڈمی میں اپنے گریجویشن پروجیکٹ کے لئے کانا کو نے تتلی کی تصویر بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس مقصد کے لئے اسے بطور ماڈل اصلی نمونے کی ضرورت تھی۔ کسی نے اسے تاکیشیتا سٹریٹ پر ایک تتلیاں بیچنے والے کے متعلق بتایا۔ وہ اتوار کو اس دکان پر گئی۔ تاکیشیا سٹریٹ ٹوکیو کے نوجوانوں کی دل پسند جگہ تھی اور یہاں اموتے ساندو سے بھی زیادہ رش تھا۔ سڑک دونوں طرف جدید ترین فیشن اور ساز وسامان کی نمائش کرتی ہوئی دکانیں، فروغ پاتا ہوا کاروبار کرتی تھیں۔ لڑکے اور لڑکیاں بازو میں بازو ڈالے آئس کریم کھاتے ہوئے چہل قدمی کرتے تھے۔ تتلیوں والی دکان سڑک سے اندر جاتی ہوئی ایک گلی میں واقع عمارت کی دوسری منزل پر تھی اور اس کا نام ''ٹروپیکانا'' تھا۔ چھوٹی سی دکان جو بنیادی طور پر اپارٹمنٹ تھی، میں تتلیوں کے لاکروں کی کئی قطاریں تھیں۔ تتلیوں کو درجہ بندی کرنے کے بعد لاکروں میں موجود کیسوں میں سجایا گیا تھا۔ زیادہ عام قسموں کے بیس تک نمونے بڑی احتیاط سے اکٹھے ترتیب دیئے گئے تھے اور کمونو کے نقش ونگار کی طرح خوبصورت تھے۔ بڑے اور کم یاب نمونے علیحدہ سجائے گئے تھے اور ایک کیس میں ان کی تعداد ایک یا تین تھی۔ کانا کو نے اپنی زندگی میں تتلیوں کا اتنا حیران کر دینے والا ذخیرہ نہیں دیکھا تھا۔ کانا کو سے پہلے آیا ہوا گاہک دکان کے مالک سے باتیں کر رہا تھا۔ دکان کا مالک بتا رہا تھا کہ وہ ہر سال موسم گرما میں تتلیاں پکڑنے جنوبی بحرالکاہل جاتا ہے اور اس سال اس کا ارادہ انڈونیشیا کے جزیرے سیلیز جانے کا ہے۔

''کیا آپ جنوبی بحرالکاہل سے اتنی تتلیاں پکڑ لیتے ہیں کہ کاروبار چلا سکیں؟'' گاہک نے جو عمر میں دکان کے مالک سے تھوڑا بڑا تھا، پوچھا۔

''ایک مرتبہ قسمت نے مجھ پر یاوری کی اور میرے جال میں ایک گرافیم اینڈ روکلس پھنس گئی لیکن یہ اتنا شاندار نمونہ ہے کہ میں اسے بیچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''کیا آپ کو تتلیاں ان کے جمع کرنے والے لوگ بھیجتے ہیں؟''

''رقم سپانسر مہیا کرتے ہیں لیکن کچھ نمونے تو میں تین لاکھ ین تک کے بھی نہ بیچوں۔ اس نے کانا کو کے لئے ایک تتلی نکالتے ہوئے گفتگو جاری رکھی۔ دوسرے گاہک نے ان سفید تتلیوں کی طرف دیکھا جو کانا کو نے پکڑی ہوئی تھیں۔

''اینتھو کارس کارڈا مائنز، نارنجی سرے، اڑتے ہوئے یہ برف کی پتیوں کی مانند لگتی ہیں'' وہ بڑبڑایا۔ چھوٹی نازک تتلیوں کے سفید بالائی پروں پر سرخ دھبے تھے۔ کانا کو نے ان میں سے بھی ایک مانگی۔ دکان میں موجود کچھ تتلیاں صرف چند سو ین کی بکتی تھیں باقی کئی ہزار ین کی اور کچھ ایسی بھی تھیں جن کی قیمت کئی لاکھ ین تھی۔ کانا کو نے دو چھوٹی تتلیاں خریدیں اور دوکان سے باہر آ گئی۔ کونے پر ایک چھوٹی سی کافی شاپ تھی۔ اندر بیٹھتے ہی کانا کو نے تتلیوں کو لفافے سے نکالا۔ انہیں دیکھ کر اسے تھوڑی سی ڈھارس ہوئی۔ مرنے کے بعد بھی تتلیوں کے بے حرکت پیکر اور پھیلے ہوئے پر خوبصورت لگ رہے تھے۔ ڈیزائن کے لئے منصوبے نے کانا کو کے تخیل میں ایک شکل اختیار کر لی۔ ایک شخص کافی شاپ میں داخل ہوا اور واحد خالی کرسی پر جو کانا کو کے ساتھ والی تھی، بیٹھ گیا۔ یہ وہی شخص تھا جسے اس نے ٹروپیکانا میں دیکھا تھا۔ لوگ خواہ اپنی آزادی کا اظہار کس طرح بھی کیوں نہ کرتے ہوں انہیں قسمت اور تقدیر کے لکھے ہوئے کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑتے ہیں۔ سو اس طرح کانا کو اور ہوردی نوبوتا کا کی پہلی ملاقات ہوئی۔

ان کے ساتھ والی میز پر ہائی سکول کے چند طالب علم لڑکے اور لڑکیاں آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ موضوع ایک خاتون استاد تھی اور انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ باقی لوگ بھی ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ ''تم جانتے ہو وہ باسٹھ سال کی بڑھیا ہے اور اب بھی جنس کے متعلق سوچتی ہے۔'' کانا کو نے انہیں گھورا اور منہ پھیر لیا۔ اس منطق سے وہ خود بھی اتنی عمر کی ہو چکی تھی کہ اس کا عام زندگی کا بے لطف خاتمہ ہوتا۔ نوبوتا کا کے لبوں پر بھی ایک خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ ان طالب علموں کے غل غپاڑے سے تنگ آ کر بالآخر وہ کافی شاپ سے باہر آ گئے۔ نوعمر لوگ جنہیں ابھی بمشکل مرد اور خواتین کہا جا سکتا تھا ہاراجوکو سٹریٹ پر اس طرح چہل قدمی کر رہے تھے وہ انہی کی ملکیت ہو۔ کانا کو اور نوبوتا کا دونوں ہی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے کہ وہ جگہ ان کے لیے موزوں نہیں ہے۔ یہ احساس انہیں ایک دوسرے کے قریب لے آیا۔ ہاراجوکو سٹیشن پر انہیں معلوم ہوا کہ وہ دونوں ہی ٹوکیو لائن پر رہتے ہیں۔

''کیا آپ کو تتلیاں پسند ہیں؟'' کانا کو نے پوچھا۔

''بچپن میں ان کا بہت پیچھا کیا کرتا تھا۔''

''کیا آپ کے پاس ان کا ذخیرہ ہے؟''

''ہاں اپنے آبائی گھر میں چھوٹا سا ذخیرہ ہے مگر یہاں اپنے اپارٹمنٹ میں بمشکل دس کیس ہیں اور وہ بھی سب کے سب بیئر سٹریک کے۔''

''بیئر سٹریک کیا ہوتی ہے؟''

''محض چھوٹی عام سی تتلی جو زیادہ توجہ طلب نہیں ہوتی۔''

''چھوٹی تتلیاں بھی تیس یا چالیس کے جتھے میں پیاری لگتی ہیں۔''

''میری ایک چھوٹی بہن تھی جو نارنجی سروں والی تتلیوں کو بہت پسند کیا کرتی تھی کیونکہ وہ بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔''

اسے احساس ہو گیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ایک دم خاموش ہو گیا۔ کانا کو نے سوچا کہ اس کی بہن یقیناً بہت چھوٹی عمر میں مر گئی ہو گی۔ کانا کو نے کہا کہ چونکہ اس کے پاس پہلے ہی دو خوبصورت تتلیاں ہیں اب اسے بیئر سٹریک کی ضرورت ہے۔

''میں آپ کو اپنے والی دے دوں گا۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صرف جگہ گھیر رہی ہیں'' نوبوتا کا نے کہا۔

شاید وہ کم گہرے دریا کے ساکت پانی میں پس وپیش کرتے ہوئے دو پتوں کی طرح حادثاتی طور پر ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ تقدیر دو ایسے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئی تھی جو نہ تو خود اچھے رفیق تھے اور نہ ہی کسی دوسرے کی رفاقت کے خواہاں تھے۔ ایک دوسرے کے قریب آنے میں ان دونوں کا کوئی خاص عمل نہیں تھا۔ اس وقت نوبوتا کا فلمی کہانیاں لکھ رہا تھا۔ اس کا اپارٹمنٹ اس سٹیشن سے ایک سٹیشن کے فاصلے پر تھا جو کانا کو استعمال کیا کرتی تھی۔ اپنے آدھے وقت میں وہ ایک چھوٹی پروڈکشن کمپنی کے لئے کام کرتا جب کہ باقی آدھے وقت میں اس کے پاس کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ وہ اپنا لکھنے کا کام مکمل کرنے کے بعد شام کو کانا کو کے اپارٹمنٹ آ جاتا اور اپنے گھر اگلے دن واپس جاتا۔ کبھی کبھی وہ ہفتے بھر نہ آتا۔ کانا کو انتظار کرتی اور اپنے آپ سے کہتی کہ ان کے تعلق کا انجام یہی ہونا تھا۔ اگر وہ دوبارہ کبھی نہ بھی آتا تو وہ اسے الزام نہیں دے سکتی تھی۔ شروع سے ہی مستقبل کے بارے میں وعدے نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے عمر کے اس حصے میں فطری تعلق قائم کیا تھا جب الفاظ غیر ضروری ہوتے ہیں۔ کئی دنوں بعد نوبوتا کا دروازے پر دستک دیتے ہوئے آ جاتا اور کانا کو سکون کا سانس لیتی۔ اس کا کمرہ بہت چھوٹا تھا۔ یہ گھر نہیں تھا صرف ایک دڑبا تھا۔ اس کا اور نوبوتا کا کا اکٹھے گزارا ہوا وقت

MashalBooks.com

ساکت پانی میں مختصر سکون ہوتا مگر پھر بھی ان دونوں میں سے کسی نے کبھی اس سے زیادہ مانگنے یا توقع کرنے کی بات نہ کی۔

انہوں نے مہینے میں ایک مرتبہ جس دن کانا کو تنخواہ ملتی تھی ملنا شروع کر دیا۔ یہ ان کا اپنی طبعی خواہشات کو مطمئن کرنے کا سادہ سا طریقہ تھا۔ وہ ایسے علاقے میں جانے سے اجتناب کرتے جہاں نوجوانوں کا رش ہوتا۔ نوبوتا کا میں اچھے ریستوران اور اچھی خوراک منتخب کرنے کی صلاحیت تھی اور اس کا کھانا کھانے کا انداز بہت اچھا تھا۔ جب کانا کو نے اس بات کی نشاندہی نوبوتا کا سے کی تو اس نے خود کو تمسخر اڑانے والے انداز میں صرف یہ جواب دیا کہ اس کا تعلق دیہات سے ہے۔ آج رات اس کا منگوایا ہوا کھانا کانا کو پسند نہ آیا اور وہ زیادہ نہ کھا سکی۔

''کھانا بہت لذیذ ہے۔ تم کھا کیوں نہیں رہیں؟''

کانا کو کے لیے یہی کافی تھا کہ نوبوتا کا مطمئن ہے۔ صرف چند دنوں میں یہ سال ختم ہو جائے گا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اگلے سال اسے کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نوبوتا کا نے بھی اس سے پہلی ملاقات کے بعد اب تک کوئی ترقی نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کا کوئی امکان تھا۔

''مجھے اپنی والدہ کا خط ملا ہے۔''

ایسا لگتا تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ بات کس طرح جاری رکھے، کانا کو خاموش رہی۔

''کیا میں نے تمہیں کبھی اپنے امریکہ میں رہنے والے بھائی کے متعلق بتایا تھا؟ اس کے گھر ایک اور بچہ ہونے والا ہے لہٰذا اس نے میری والدہ کو مدد کے لئے بلایا ہے۔ انہوں نے یہ بتانے کے لئے خط لکھا ہے کہ وہ جا رہی ہے حالانکہ میں نے انہیں کہا بھی تھا کہ وہ ایسے کاموں کے لئے بہت بوڑھی ہو چکی ہیں۔''

کانا کو نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانتی تھی کہ نوبوتا کا اپنی ماں کے ساتھ نوروز منانے کے ہمیشہ واپس جاتا ہے۔

''اس سال گھر خالی ہو گا لہٰذا وہ چاہتی ہیں کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔''

''ہاں خالی گھر محفوظ نہیں ہوتا۔''

''وہاں چرانے کے قابل ایک چیز بھی نہیں ہے۔ ہر چیز بہت پرانی ہے۔''

اس کے یہ سب کہنے کے باوجود کانا کو بتا سکتی تھی کہ وہ واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ کسی ایسے شخص سے بے پناہ حسد محسوس کرتی جس کے پاس لوٹنے کے لیے گھر ہوتا۔ نوبوتا کا کے گھر میں اس کی زندگی کی تمام اہم یادیں بند ہوں گی۔ نوبوتا کا نے تذکرہ کیا تھا کہ اس کا گھر جھیل جی وا کے مشرق میں واقع ایک گاؤں میں ہے۔ کانا کو کے پاس لوٹنے کے لیے کوئی گھر نہیں تھا۔ اس نے ان جگہوں کے متعلق سوچا جہاں وہ رہ چکی تھی مگر وہ ان میں سے کسی میں بھی واپس نہیں جا سکتی تھی۔ کانا کو کا بھائی ہوکیدو میں آباد ہو چکا تھا اور اب ان کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں تھا۔

''جب میں گھر کے متعلق سوچتی ہوں تو مجھے گوما والے مکان کا خیال آتا ہے جس میں پولونیا کا بڑا درخت تھا۔ میری والدہ اس کے دھوپ بھرے برآمدے میں سکھانے کے لیے خرمالو چھیلا کرتی تھیں۔ میرے خیال میں اپنا گھر ہونا بہت بڑی نعمت ہے خواہ وہ خستہ حال اور پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ کم از کم آپ وہاں جا کر سکون سے مر تو سکتے ہیں۔''

نوبوتا کا نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سرد مہری سے کہا ''اپنی معمولی اور غیر اہم زندگی کی ابتدا کی تصدیق کرنے کے لیے واپس جانا آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم خود کو اپنی جڑوں سے علیحدہ کر کے شہری کوڑا کرکٹ کا حصہ بن سکتے ہو؟ مگر میں جانتی ہوں کہ تم حقیقت میں اس طرح نہیں سمجھتے۔''

کانا کو کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا اور اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ ان کا تعلق کہاں سے تھا۔ وہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی اپنے آبائی علاقے کو چھوڑ چکے تھے۔ اس کی واحد جائے پناہ ایک دڑبا نما اپارٹمنٹ تھا مگر وقتی طور پر نوبوتا کا اس کے پاس تھا۔ وہ مزید کتنی دیر اس کے پاس ٹھہرے گا اس بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔

''چلیں'' نوبوتا کا نے پوچھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

رات کے وقت بھی سڑک پر خوب گہما گہمی تھی کیونکہ سال ختم ہونے والا تھا۔ رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لہٰذا کانا کو نے اپنے اوورکوٹ کے کالر اوپر کر لئے۔

شیما کا گھر سیتا گایا میں واقع تھا۔ جس وجہ سے شیما ڈیزائن سٹوڈیو میں کام کرنے والے تمام لوگ کرسمس کے موقع پر وہاں جمع ہوئے تھے یہ ان کا دستور تھا کہ کرسمس کو سٹوڈیو کی سال نو کی دعوت کے ساتھ ملا لیں۔ شیما کا گھر کانا کو کسی عام خاندان کے

MashalBooks.com

ساتھ واحد رابطہ مہیا کرتا تھا۔ اگر چہ سٹوڈیو میں کام کرنے والے کانا کو کے تمام ساتھی ملازم شادی شدہ تھے وہ اسی کی طرح کے دڑبا نما اپارٹمنٹوں میں رہتے تھے ان میں سے صرف شیما واقعی گھر کا مالک تھا۔ شیما کی بیوی نے دروازے پر آ کر اس کا استقبال کرنے سے پہلے اسے دور سے خوش آمدید کہا۔

اس نے لال لباس کے اوپر ایپرن پہنا ہوا تھا اور واقعی خاتون خانہ لگتی تھی۔ شیما اور یوشیکو کی دوسکول جانے والی بیٹیاں تھیں۔

خوراک اور مشروبات ملحقہ بیٹھک اور کھانے کے کمروں کی میزوں پر سجا دیئے گئے تھے۔ عملے کے چار ارکان کے علاوہ وہاں پر دو اور مرد مہمان بھی موجود تھے۔ کانا کو نے کھانا میزوں پر رکھنے میں مدد کرنا شروع کر دی مگر شیما کی بیٹیوں نے یہ ذمہ داری خود سنبھال لی اور اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

''آج تم ہماری مہمان ہو'' یوشیکو نے کانا کو کا گلاس بیئر سے بھرتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ کانا کو نے اپنی توجہ کا رخ شیما کے خاندان کے گھریلو معاملات کی طرف کرتے ہوئے سوچا کہ یوشیکو اپنے خاوند کی خاصی مدد کرتی ہے۔ شیما کی تمیزدار بیٹیاں اپنی دعوت سہہ شہر کو ہی کر چکی تھیں اور جلد ہی اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ گھر میں شیما عام سا شوہر تھا اور کانا کو کو اس کی گھریلو زندگی زیادہ پرکشش نہ لگی۔

جب دعوت شراب کے زیر اثر جاندار ہو گئی تو کانا کو نے دونوں مرد مہمانوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ جس شخص کو شیما کا دوست سیکی اپنے ساتھ لایا تھا وہ اسی کے دفتر میں کام کرتا تھا۔ کانا کو نے اپنی کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی اور اس شخص کے چہرے کا ایک اور جائزہ لیا۔ وہ درمیانے قد اور جسامت کا تھا اور اس کی شکل وصورت شریفانہ تھی۔ شاید شیما اور یوشیکو جانتے تھے کہ وہ دوبارہ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور کانا کو کے متعلق سوچا تھا۔ اگر اس کا مطلب یہ تھا کہ کانا کو کو اسے اپنا شریک حیات بنانے کے متعلق سوچنے کا موقع دیا جا رہا تھا تو یہ اس کا پہلا ایسا تجربہ تھا۔ اس بات نے کانا کو کو حیران بھی کیا کہ اسے موقع دیا جا رہا تھا۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ اس شخص کا ایک بچہ ہے جسے اس کی ماں پال رہی ہے۔ جب یوشیکو نے تھوڑی دیر پہلے تذکرہ کیا کہ وہ طلاق یافتہ ہے تو کانا کو نے اس کی طلاق کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔

وہ شخص کانا کو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شیما نے اس کا نام پکارا۔

اوکابے صاحب۔

''آپ کا انجینئرنگ کا کام آپکو خاصا مصروف رکھتا ہوگا۔

''اس معاملے میں تو میں اپنے حصے سے زیادہ کام کرتا ہوں مگر جہاں تک میری ذاتی زندگی کا تعلق ہے میں زیادہ کامیاب نہیں رہا۔''

''ہم سب کو بھی ایسا ہی لگتا ہے'' سٹوڈیو کے ایک شخص نے اس کی تائید کی۔ کانا کو اوکابے کی صاف گوئی سے متاثر ہوئی اور اسے پہلی مرتبہ پسند کی نگاہ سے دیکھا۔ اگر اوکابے کی ذاتی زندگی مکمل طور پر کامیاب ثابت ہوئی ہوتی تو اس سے اسے صرف عدم تحفظ کا احساس ہوتا۔ کانا کو جس کا نہ گھر تھا نہ خاندان اوکابے کی صورت میں اپنے حصے میں آنے والی خوش قسمتی پر مسرور ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اوکابے اپنی بیوی سے خواہ کسی بھی وجہ سے علیحدہ کیوں نہ ہوا ہو ایسا لگتا تھا کہ وہ اذیت ناک اور بہت ہی ذاتی تجربے سے گزرا ہے کیونکہ کافی مقدار میں شراب پینے کے باوجود اس نے بہکنے کا کوئی تاثر نہ دیا حالانکہ سٹوڈیو کے لوگ خاصا اودھم مچا رہے تھے۔

''تم کچھ بھی نہیں کھا رہی'' یوشیکو نے کانا کو کی پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''نہیں نہیں لے رہی ہوں۔ بہت لذیذ پکا ہوا ہے۔''

کانا کو پچھلے پورے ہفتے سے کھانے سے لطف اندوز ہوئی تھی مگر عورت کا ماحول نہایت خوش کن تھا۔ اختتام کے قریب شیما نے ان سے کرسمس کارڈ نکلوائے اور تحفے بانٹے۔ کانا کو کے حصے میں مٹھائی آئی۔ اس نے اسے اچھا شگون سمجھا اور مسکرائی۔ اوکابے کا تحفہ گھونگھے کی شکل میں بنا ہوا چینی مٹی کا سفید برتن تھا جس کے کنارے پر ایک آرائشی تصویر بنی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا اور بار بار اپنے تحفے کی تعریف کر رہا تھا۔

انہوں نے ہر نئے تحفے پر تالیاں بجائیں۔

اس طرح مسرت بخش کرسمس اختتام پذیر ہوا۔ اپنے ساتھی ملازمین کو جو شراب نوشی جاری رکھنے کے لیے ٹھہر گئے شب بخیر کہتے ہوئے کانا کو دونوں مرد مہمانوں کے ساتھ چلی آئی۔ سیکی نے جلد ہی ایک ٹیکسی رکوالی اور چلا گیا۔ اوکابے اس کے بعد آنے والی ٹیکسی میں کانا کو کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''میں عموماً کرسمس نہیں مناتا مگر اس مرتبہ میں واقعی لطف اندوز ہوا۔ شیما ڈیزائن سٹوڈیو یقیناً کام کرنے کے لیے بہت اچھی جگہ ہوگی'' اوکابے نے کہا۔

''ہاں بالکل گھر والا ماحول ہے۔''

جواب دینے کے بعد کانا کو احساس ہوا کہ یہ سٹوڈیو کے کام کی سختی ہی تھی جو کبھی کبھی تفریح کو اتنا فرحت بخش بنا دیتی تھی۔ کسی ایسے شخص کے لیے جو رفاقت کا بھوکا ہو۔ شیما کے گھرانے کی خوش مزاجی دل کو گرما دیتی تھی۔ کانا کو اپنے اپارٹمنٹ کو جانے والی گلی کے کنارے پر ٹیکسی سے اتر گئی۔

''بہت بہت شکریہ۔''

''مجھے امید ہے کہ میں آپ سے دوبارہ مل سکوں گا'' اوکابے نے کہا اور پھر ٹیکسی چل پڑی۔

اگر یہ کانا کو کے لیے ساحل تک پہنچنے کے موقع کی نشاندہی کرتا تھا تو یہ اس کا پہلا ایسا موقع تھا۔ ٹیکسی کو جاتے دیکھنے کے بعد تاریک گلی میں چلتے ہوئے کانا کو احساس ہوا کہ وہ اوکابے کو پسند کرتی ہے۔ پھر بھی کسی ایسے شخص سے جو اوکابے کی طرح دنیا والوں کی نظر میں عزت دار ہو شادی کرنے کا خیال ہی اس جیسی عورت کے لیے تقاضا بے باکانہ محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن پہلے کانا کو ہسپتال گئی تھی۔ اس کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے کہا'' آپ پیٹ سے ہیں۔ آپ کو کسی ماہر امراض نسواں سے ملنا چاہیے۔''

یہ کیسے ہوا؟ حیرت تذبذب اور شرم کے ملے جلے جذبات کی وجہ سے اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ کانا کو ادھر اور اسی وقت فیصلہ نہ کر سکی کہ اسے بچہ پیدا کرنا چاہیے یا نہیں۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ نوبوتا کا کیا سوچے گا بلکہ اسے اپنے ذاتی احساسات پر پوری طرح قابو پانا تھا اور یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کرے۔ شہر میں بے مقصد زندگی گزارنے والی ایک عورت بچے کا کیا کرے گی؟ بچے کا تعلق کس سے ہوگا اگر اس کا مطلب بے گھر خانہ بدوشوں کی تعداد میں اضافہ ہے تو کیا اسے پیدا کرنا غلط نہیں ہوگا؟ پھر بھی ماں بننا بحیثیت عورت اس کا واحد استحقاق تھا۔ آج رات اوکابے سے اس متذبذب حالت میں ملنے کے بعد اس نے سوچا کہ وہ شاید آخرکار ماں بننا پسند کرے۔

اس کے اپارٹمنٹ میں روشنی جلی ہوئی تھی۔ کانا کو نے اندازے لگانے شروع کر دیئے۔ کیا یہ وہ ہو سکتا ہے؟ وہ جانتا تھا کہ آج رات شیما کے گھر پر دعوت ہے۔ اس نے دیکھا کہ وہ اندر والے کمرے میں ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کے لیے مڑا۔ نوبوتا کا

MashalBooks.com

موجود تھا۔ کیا کانا کو اس لیے خوش تھی کہ نوبوتا کا وہ ساحل تھا جس کی سمت وہ ہمیشہ حرکت کر رہی تھی؟

''میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ اتنی زیادہ تفریح کرتے ہوئے اکیلا پن محسوس کر رہی تھی۔''

''کیا تفریح نے تمہیں اداس کر دیا ہے؟'' نوبوتا کا نے پوچھا۔ کانا کو حد درجہ سنجیدہ تھی۔ ''کرسمس اور نئے سال کی دعوتیں ہم جاپانیوں کے لیے بے مقصد ہوتی ہیں۔ ہم تفریح کے عادی نہیں ہیں اس لیے یہ ہمیں تھکا دیتی ہے۔''

زبردستی مسکراتے ہوئے نوبوتا کا نے چائے مانگی۔ کانا کو اپارٹمنٹ میں اس کا دل کبھی خود چائے بنانے کو نہیں چاہا تھا۔ کانا کو اس کے لیے چائے بنا لائی۔

''تم ٹیکسی پر واپس آئی ہو؟''

''شیما کا ایک مہمان مجھے گھر چھوڑنے آیا تھا۔ اس طرح کی چھوٹی سی بات بھی لوگوں کے درمیان ایک قسم کا تعلق قائم کر دیتی ہے۔ جب وہ اگلی بار ملے گا تو میں اس کا شکریہ ادا کروں گی اور اس طرح بات چل نکلے گی۔ مجھے ایسے رشتوں سے نفرت ہے جو لوگوں کو اس طرح اکٹھا باندھ دیتے ہیں۔''

''کیوں؟'' نوبوتا کا نے پوچھا۔

''اس لیے کہ اس طرح آپ سوچنے لگتے ہیں کہ آپ ان سے چمٹے رہ سکتے ہیں۔ یہ رشتے ناطے بہت بے رحم ہوتے ہیں۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

گو نوبوتا کا کانا کو کے جذبات کو چھیڑ چکا تھا لیکن اس نے اس سلسلے میں مزید کچھ نہ کہا۔ اپنے پاؤں گیس ہیٹر کے کے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے کانا کو کو بتایا کہ اس کی ماں امریکہ جا چکی ہے لہٰذا وہ نوروز سے پہلے واپس جائے گا۔ کانا کو کے تخیل میں دیہات میں خالی مکان گوما میں پولونیا کے درخت والے گھر میں ختم ہو گیا۔ اس نے کسی کی غیر موجودگی میں وہاں جانے کے خیال پر ندامت محسوس کی مگر تحریک پر پوچھ لیا ''اگر میں تمہارے ساتھ چلوں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا؟ اگر یہ بہت زیادہ مشکل ہے تو میں تمہارے مکان کو دور سے ہی دیکھ لوں گی اور فوراً واپس آ جاؤں گی۔''

''اس کا کیا فائدہ ہوگا۔''

MashalBooks.com

''مجھے نہیں معلوم صرف ایسا گھر ہونے کی وجہ سے جہاں تم پیدا ہوئے تھے تم مجھ سے زیادہ حقیقی اور قابل اعتماد لگتے ہو۔ اگر تم نے بچپن میں دیواروں اور محرابوں پر نشان بنائے تھے تو میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

نوبوتا کا کچھ دیر خاموش رہا اور پھر غیر متوقع طور پر اس کی درخواست مان لی۔

کانا کو نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ نوبوتا کے خاندانی گھر میں نوروز منانے کے قابل ہو سکے گی۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دو سال سے زیادہ عرصے سے جانتے تھے نوبوتا کا اپنی جائے پیدائش یا رشتہ داروں کی باتیں کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ یہ درست تھا کہ اس نے جھیل بی وا کے قریب ایک دیہات کا تذکرہ کیا تھا مگر کانا کو کبھی جھیل بی وا نہیں گئی تھی اور پہلی مرتبہ ضلع اومی جا رہی تھی۔

31 دسمبر کی صبح وہ بذریعہ ٹوکیو سے اومی یاہاتا پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے ٹیکسی لی۔ کانا کو کا دل شدت جذبات سے اچھل رہا تھا۔ ایک دریا کا پل عبور کرتے ہوئے اس نے نوبوتا کا سے پوچھا کہ وہ اپنے بچپن میں وہاں کھیلا کرتا تھا۔

''ہاں اپنے دوستوں اور بہن کے ساتھ، ہم جھینگے پکڑا کرتے تھے''

اس نے کھڑکی سے باہر دریا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے ایک ایسی سڑک پر گاڑی رکوا دی جس کے گرد درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ بہت نمایاں تھا۔ پہلے کانا کو نیچے اتری اور ارد گرد دیکھا۔ درختوں کے درمیان چند پرانے مکان تھے۔ جھنڈ کے بالمقابل ایک چھوٹا سا میدان تھا اور اس سے پرے ایک شاندار پرانا مکان جس کے گرد کالا چوبی جنگلا تھا۔ چھت پر پرندے آرام کر رہے تھے۔ احاطے میں ایک دو منزلہ علیحدہ بنگلہ بھی تھا۔ یہ مقامی زمیندار کی رہائش گاہ لگتی تھی۔ ٹیکسی واپس چلی گئی اور نوبوتا کا نے چلنا شروع کر دیا۔ میدان میں سے ایک راستے سے گزر کر وہ کالے چوبی جنگلے والے مکان کے دروازے تک پہنچا۔ کانا کو کی پہلی سوچ یہ تھی کہ وہ زمیندار کو سلام کرنے جا رہا تھا۔ کانا کو نے دیکھا کہ نام کی تختی پر ''ہوری'' لکھا ہوا ہے۔ الفاظ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا ''یہ تمہارا گھر ہے؟''

''اسی لیے تو میں اندر جا رہا ہوں۔''

نوبوتا کا نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چھت پر موجود پرندے آرائشی تھے۔ اندر داخل ہونے کا راستہ کسی ساموارئی رہائش گاہ کے انداز میں بنا ہوا تھا۔ نوبوتا

MashalBooks.com

کا نے دائیں والا بغلی دروازہ کھولنے کے لیے چابی استعمال کی اور اندر چلا گیا۔ دہلیز سے پرے بیٹھک تھی اور ایک طرف مٹی کے فرش والا کشادہ باورچی خانہ، چوڑے ستونوں والے باورچی خانے کی پرانی انگیٹھی۔ ان سب چیزوں نے کانا کو ان لوگوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا جنہوں نے گزرے ہوئے سالوں میں وہاں کام کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس سے آگے ملازموں کا کمرہ ایک بڑا گودام موجود ہے۔

ڈرائنگ روم میں ایک کوتاتسو بھی تھا۔ نوبوتا کا کی والدہ نے دمائی کے کونے بڑی احتیاط سے موڑے ہوئے تھے۔ نوبوتا کا کونا کو مکان کے بقیہ کمرے دکھا رہا تھا۔ گھر کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہ کوئی شخص ضرور موجود تھا کیونکہ طوفان سے بچاؤ کے لئے بنائے گئے اضافی دروازے کھلے ہوئے تھے اور ہر چیز صاف ستھری لگتی تھی۔ مرعوب کن حد تک روایتی مہمان خانے اور سونے کے کمرے سے گزر کر وہ ایک آرائشی الماری تک پہنچے۔ نوبوتا کا نے الماری کو کھولا۔ اس کے اندر ایک روغن شدہ قربان گاہ تھی۔ نوبوتا کا بیٹھ گیا اور گھنٹی بجائی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ کانا کو نے بھی اس کی تقلید کی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس طرح عبادت کرنا نوبوتا کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ پاس ہی اس کے والد کی تصویر پڑی تھی۔ تصویر میں موجود شخص چالیس کے پیٹے میں تھا اور اس نے مغربی لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ دیکھنے میں باوقار اور اپنے بیٹے سے زیادہ خوبصورت تھا۔

اب کانا کو خالی مکان کے اندر خاندانی قربان گاہ کے سامنے ان چٹائیوں پر بے معنی طور پر بیٹھی ہوئی تھی جنہوں نے ابھی تک کمرے کے ہیٹر کی ذرا بھی گرمی جذب نہیں کی تھی۔ اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں نوبوتا کا نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے اسے اس مکان کا اندازہ ہوتا۔ نوبوتا کا نے کبھی اتنے ممتاز خاندان میں پرورش پانے کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دیا تھا۔ کیوں؟ کیا اس نے ایسا کانا کو کی بدگمانی کے ڈر کی وجہ سے نہیں کیا تھا؟

نوبوتا کا نے دیکھا کہ کانا کو کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔

''کیا ہوا ہے؟ کیا تمہیں سردی لگ رہی ہے؟''

کانا کو نے نفی میں سر ہلایا لیکن وہ ٹھٹھر رہی تھی۔ نوبوتا کا نے حساب لگایا کہ اس کی والدہ کتنے دنوں کے لئے گئی تھیں۔

''خالی مکان زیادہ پرکشش نہیں ہوتا۔ کیا یہ بھیانک نہیں لگ رہا؟ عام طور پر یہ

اس سے زیادہ روشن اور گرم ہوتا ہے۔''

نوبوتا کا نے کھلے ہوئے دروازوں سے باہر باغ میں دیکھا۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ باغ کی دیکھ بھال اچھے طریقے سے کی جاتی ہے۔

اس میں ایک سرخ صنوبر کھڑا تھا اور پتھر کی خوبصورت قندیل اور قدرتی مناظر کے نقش مکان کی خوش ذوق سلیقہ مندی سے مطابقت رکھتے تھے۔

''یہ گھر سو سال سے زیادہ عرصے پہلے تعمیر ہوا تھا۔ یہ اب بھی خاصی اچھی حالت میں ہے اس لیے کہ میری والدہ اس کی بڑی اچھی دیکھ بھال کرتی ہیں۔''

نوبوتا کا نے اسے بتایا کہ اگرچہ اس کے خاندان نے اپنی زیادہ تر زمین جنگ کے بعد ہونے والی زرعی اصلاحات میں دے دی تھی لیکن کسان اب بھی سابقہ مالکن کی مدد کرنے آتے ہیں۔

''تم بڑے اچھے خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ تم نے یہ سب مجھ سے کیوں چھپایا؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟

''کیا میں تمہیں یہ بتاتا کہ ایک اچھے خاندان کا قیمتی بیٹا معمولی فلمی مصنف ہے؟'' اس نے تمسخرانہ انداز سے جواب دیا۔

''بہت سے کامیاب تاجروں کا تعلق ملک کے اس حصے سے ہے۔ ان میں سے بہت سے اہم جاپانی کمپنیاں چلاتے ہیں۔ یہ گھر میری والدہ کا تھا۔ میرے والد جوان کے کزن تھے ٹیکسٹائل مل میں کام کرتے تھے مگر ابھی میرا بڑا بھائی جونیئر ہائی سکول میں ہی تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اگر وہ مزید دس سال زندہ رہ جاتے تو شاید حالات مختلف ہوتے۔''

''تمہیں ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو ضرور یاد ہوگا۔''

''میں تب صرف ابتدائی سکول میں تھا اور میرے والد اتنے مصروف تھے کہ وہ گھر میں زیادہ وقت گزار سکتے تھے مجھے خوشی ہوتی اگر وہ واقعی اپنے گھر والوں کی پرواہ کرتے ہوتے۔ یہ مکان میرے پردادا نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بنایا تھا۔''

''تمہارے پردادا نے!''

کانا کو کے دل میں اس شخص کے منفرد پس منظر سے حسد کا احساس پیدا ہوا جسے وہ اپنے سے ذرا بھی مختلف نہیں سمجھتی تھی۔

''تمہارا شجرہ نسب بہت حیران کن ہے! کیا تمہیں یقین ہے کہ بطور ناکام فلمی مصنف اپنے اوپر ترس کھانا محض دکھاوا نہیں ہے؟''

کانا کو ایک مایوس کر دینے والے احساس کمتری کی گرفت میں آ چکی تھی۔ نوبوتا کا نے بھی وہ دھچکا محسوس کر لیا جو اسے لگا تھا۔

''میں نے تمہیں یہ مکان دکھانے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ جلد ہی یہ ہمارا نہیں رہے گا۔''

''تمہارا نہیں رہے گا؟''

نوبوتا کا کے چہرے کے تاثرات افسردہ ہو گئے۔ اس کا بھائی تجارت میں قسمت آزمانے امریکہ گیا تھا لیکن وہاں اسے بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔ نامساعد حالات کے پیش نظر ان کی والدہ کو مکان بیچنے کے لئے کہا تھا۔ نئے بچے کی پیدائش کے موقع پر انہیں مدد کے لئے بلانا محض ایک بہانا تھا تاکہ وہ انہیں قائل کرنے کی کوشش کر سکے۔ اس کی والدہ یقیناً اس سے پوری طرح آگاہ تھیں اور اسی لیے زندگی کی ساٹھ سے زیادہ بہاریں دیکھنے کے بعد پہلی مرتبہ سمندر پار سفر پر گئی تھیں۔

''وہ یقیناً نہایت شاندار خاتون ہوں گی۔''

کانا کو کے ذہن میں ایک سن رسیدہ اور باوقار خاتون کا خیال آ گیا۔

''میری والدہ اپنی پیدائش کے وقت اس مکان میں رہ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کبھی کسی اور جگہ نہیں گئیں۔ یہاں وہ مکان کی روح کے ساتھ رہتی ہیں۔ اگر انہوں نے اسے چھوڑا تو ان سے وہ چھن جائے گا جو ان کی زندگی کو معنی بخشتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ میری خالہ سے ملنے کیوٹو جاتی ہے تو ہمیشہ تین دن سے پہلے پہلے واپس آ جاتی ہیں۔''

ٹوکیو میں اپنے بیٹے کے گھر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

اب مکان بک جانے کے بہت حقیقی امکان سے آگاہ ہونے کے بعد کانا کو اس سے جذباتی لگاؤ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ حیران تھی کہ نوبوتا کا کیا کرے گا۔

''میں انہیں وہ کرنے دوں گا جو وہ چاہتی ہیں۔ اس کے علاوہ میں کچھ اور کر بھی نہیں سکتا۔''

نوبوتا کا اٹھ کھڑا ہوا اور اسے اپنے ساتھ علیحدہ بنے ہوئے بنگلے میں چلنے کی دعوت دی۔ بنگلہ مرکزی عمارت کے کچھ عرصہ بعد تعمیر ہوا تھا اور دیکھنے میں خاصا شاندار

MashalBooks.com

تھا۔ یہاں نوبوتا کا نے پوری آزادی کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کیا۔ بنگلے کی دوسری منزل پر نوبوتا کا اور اس کے بھائی کا مشترکہ مطالعے کا کمرہ تھا۔ اس نے کانا کو کو بتایا کہ اس کمرے کی طاقچہ دار کھڑکی سے وہ گزرتے ہوئے پرندوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ جیسے ہی اس کے الفاظ اسے ماضی میں لے گئے اس کے چہرے کے تاثرات میں بھی خوشگوار تبدیلی آ گئی۔ مرکزی کمرے میں چھوٹی میز پر پڑی ہوئی تصویر والی نوجوان عورت اس کی بہن یوری تھی۔

نوبوتا کا کے مطابق وہ صرف اکیس سال کی عمر میں خون کے سرطان سے انتقال کر گئی تھی۔ وہ دو سال سے زیادہ عرصے سے اس مرض میں مبتلا تھی اس دوران نوبوتا کا اور اس کی والدہ نے یوری کی تیمارداری کی تھی۔ نوبوتا کا اس مقصد کے لیے ٹوکیو میں اپنی نوکری چھوڑ کر اومی واپس آ گیا تھا۔ جب یوری کی بیماری کی شدت میں تھوڑی کمی ہوئی تو وہ تینوں سیر کرنے جھیل بی وا گئے۔ جیسے جیسے وہ شمال بعید کی طرف گئے جھیل گہری نیلی ہو گئی۔ یوری نے ڈرتے ہوئے کہا کہ وہ شادی پر اس طرح کے نیلے رنگ کا عروسی جوڑا پہننا پسند کرے گی۔ آٹھ سال کی عمر تک یوری نے ہمیشہ یہ کہا تھا کہ وہ بڑی ہو کر نوبوتا کا سے شادی کرے گی۔ نوبوتا کا جو اس سے پانچ سال بڑا تھا اس کی بات سن کر ہنستا اور کہتا کہ وہ بہت جلد ہی اپنا ارادہ بدل دے گی۔ جھیل بی وا کی سیر کے کچھ عرصہ بعد یوری کا انتقال ہو گیا۔ اس دوران وہ گاہے بگاہے ہسپتال میں داخل رہی۔ بیماری کے دوران یوری بنگلے کے مرکزی کمرے میں رہتی تھی۔

اس مکان میں بہت سے لوگوں کا انتقال ہوا تھا اور ان کی روحوں نے بے چینی سے نوبوتا کا کی واپسی کا انتظار کیا تھا۔ کانا کو کو ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے گودام کا دروازہ کھلے گا اور وہاں سے نوبوتا کا کے والد جو اتنی جلدی انتقال کر گئے تھے ظاہر ہوں گے اس نے سوچا کہ نوبوتا کا جو انتقال کر جانے والے اپنے رشتہ داروں کی یادوں کے درمیان تنہا رہ گیا تھا، ٹوکیو واپسی پر کیسا محسوس ہوتا ہوگا؟

ایک ملاقاتی نے دور سے آواز دی نوبوتا کا باہر گیا اور کانا کو جس میں اکیلے رہنے کی ہمت نہیں تھی اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔ ماند پڑتی ہوئی روشنی میں ایک بوڑھا مقامی باشندہ مٹی کے فرش پر کھڑا تھا۔ اس نے نوبوتا کا کو سلام کیا اور ایک گٹھری دروازے کے قریب ڈھیر کر دی۔ بظاہر ایسا نوبوتا کا کی والدہ کی درخواست کے جواب میں کیا گیا تھا۔

''آپ کتنا عرصہ ٹھہریں گے؟''اس آدمی نے پوچھا۔

''میرا ارادہ تقریباً ایک ہفتہ رہنے کا ہے۔''

''اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مانگ لیجئے گا۔''اس آدمی نے شائستگی سے جانے کی اجازت مانگی اور چلا گیا۔ مکان کا خیال رکھنے کی ذمہ داری اسی آدمی کو سونپی گئی تھی۔ کٹھری میں نوروز کے پکوان چاولوں سے بنے ہوئے کی، سکھائے ہوئے کیک اور سوش تھی۔ کانا کو کو اس بات پر شرمندگی محسوس ہوئی کہ اس کے پاس ٹوکیو سے اپنے ساتھ کچھ لانے کا وقت نہیں تھا۔ وہ اتنے بڑے گھر میں نوروز گزارنے کے سلسلے میں بھی پریشان تھی۔ ہر بار جب نوبوتا کا اس کے پاس سے جاتا وہ بے چینی محسوس کرتی۔

مکان کی چھت سے قریب وی واقع شینو دا کا مندر نظر آتا تھا اور کانا کو اسے دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی۔ چھت پر جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نوبوتا کا میں گویا نئی زندگی آ گئی۔ کانا کو اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ ''کیا ہمیں کل مندر پر حاضری دینی چاہیے؟ یہ اپنے آگ کے تہوار کی وجہ سے مشہور ہے۔ ایک مرتبہ جب میری بہن بیمار تھی تو اس نے کہا کہ وہ آگ کا تہوار دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر اوپر لایا۔ رات کے وقت مشعلوں نے آسمان کو روشن کر دیا۔''

نوبوتا کا عام حالات سے زیادہ باتیں کر رہا تھا۔ وہ کانا کو کو اس مکان اور لوگوں سے وابستہ اپنی مختلف یادوں کے متعلق بتا رہا تھا۔

''آج رات ہم کس کمرے میں سوئیں گے؟'' کانا کو نے پوچھا۔''سب سے اچھا کون سا رہے گا، جس میں تم پسند کرو۔''''ہم ساتھ والے کمرے میں سوئیں گے علیحدہ علیحدہ نہیں۔ کیونکہ میں کبھی اتنے بڑے گھر میں نہیں ٹھہری۔ تمہیں اکیلے سوتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟''

''بے وقوف۔ یہ میرا گھر ہے۔''

''تمہیں ٹوکیو میں اپنا اپارٹمنٹ تو بہت چھوٹا لگتا ہوگا۔''

''یہ صحیح ہے کہ میرے پاس واپس آنے کے لیے ہمیشہ یہ گھر ہوتا تھا مگر اسے چھوڑنے کا خیال مجھے اس لیے افسردہ نہیں کرتا کیونکہ میرے پاس ٹوکیو میں رہنے کے لئے کوئی جگہ تو ہے۔ اب وہی اپارٹمنٹ میری کل کائنات ہے۔''

MashalBooks.com

کانا کو احساس ہوا کہ شہر میں رہنا اب اس کی طرح نوبوتا کا کی بھی مجبوری بن چکا ہے۔

اس رات وہ مہمان خانے میں بچھائی گئی رضائیوں میں ایک دوسرے کے پہلو میں سوئے۔ کانا کو نے سوچا کہ یہ شاید اس کی زندگی کا واحد موقع ہے جب وہ ایسی عمارت کے اتنے بڑے کمرے میں سو رہی ہے جو سرائے نہیں ہے۔ سوتے ہوئے اس کا سر خاندانی قربان گاہ کے کافی قریب تھا شاید یہی اسے آنے والے خواب کی وجہ بنا۔ صبح ہونے والی تھی اور باغ کی مدھم روشنی میں پتھر کی قندیل کے قریب ایک سن رسیدہ خاتون کالا کوٹ پہنے کھڑی تھیں۔ کانا کو جانتی تھی کہ یہ نوبوتا کا کی والدہ ہیں۔ وہ خاتون خاموش کھڑی تھیں جیسے کانا کو اس کی گستاخی پر جو اس سے مالک کی غیر موجودگی میں خود کو گھر پر مدعو کر کے سرزرد ہوئی تھی، ڈانٹنا چاہتی ہوں۔ کانا کو بے چین ہوگئی اور معافی مانگی۔ ''میں معذرت خواہ ہوں برائے مہربانی مجھے معاف کر دیں۔

میں ابھی جا رہی ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس خوش اسلوبی سے ترتیب دیئے وئے مکان کی تنہائی میں مخل نہیں ہوں گی۔''

تھوڑی دیر بعد کانا کو جاگ گئی مگر اپنے خواب میں اسے یاد نہیں تھا کہ کالے کوٹ والی خاتون چلی گئی ہیں۔ کانا کو نے اپنے ہاتھ سے اپنا جسم تھپتھپایا۔ یہ کیا بہت گستاخانہ بات تھی کہ وہ اس مکان کا بغور معائنہ کرنا چاہتی تھی جو نوبوتا کا کے پردادا نے تعمیر کیا تھا؟ اگر اسے پتا چل گیا تو وہ کیا کہے گا؟ کانا کو نے بردباری سے صبح ہونے کا انتظار کیا وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا ارادہ بتدریج مضبوط ہو رہا ہے۔

نوبوتا کا بھی بیدار ہو گیا۔ اس نے کانا کو سے پوچھا کہ کیا وہ جاگ رہی ہے۔ پھر اپنے تکیے کے قریب پڑے ہوئے سگریٹوں میں سے ایک سلگایا اور کش لیا۔

''کیا تم بھی میری طرح خواب دیکھ رہے تھے؟'' کانا کو نے پوچھا۔

''بڑی چھت کے نیچے سونا آسان نہیں ہے۔''

نوبوتا کا نے کہا کہ اس نے یوری کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چھت پر لانے کا خواب دیکھا تھا۔ نوبوتا کا نے یہ خواب شاید اس لیے دیکھا تھا کہ اس نے رات سونے سے پہلے اس بات کا تذکرہ کانا کو سے کیا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ بہت

MashalBooks.com

عرصہ پہلے اس نے ایک کہانی پڑھی تھی۔ ہر سال موسم گرما میں لوگ اچھا وقت گزارنے کے لیے ایک بنگلے میں جمع ہوا کرتے تھے مگر آخر کار وہ ایک ویران جھونپڑی کی طرح اجاڑ ہو گیا۔ بنگلے کے مالک کا انتقال ہو گیا اور اسے فروخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چند مزدور اسے گرانے آئے۔ چھت پر جس سے سیڑھی ہٹائی گئی تھی تو انہیں ایک حنوط شدہ لاش ملی۔

''یہ ڈرا دینے والی کہانی تھی۔ میں اسے بھول چکا تھا مگر اس نے یقیناً خود کو میری یادداشت میں دفن کر دیا ہو گا۔ میرا خیال ہے تمہیں بھی کہانیاں اس انداز میں یاد رہتی ہوں گی۔''

کانا کو نے اندازہ لگایا کہ نوبوتا کا کو بار بار اپنی بہن کی حنوط شدہ لاش اوپر چھت پر چھوڑ کر آنے کا خیال آ رہا ہے اور وہ اس سے پہلے سے زیادہ قربت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''کسی بھی پرانے گھر میں کالے شہتیروں کی پرچھائیوں میں بالا خانے میں باورچی خانے کے اردگرد چھپے ہوئے بھوتوں کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔''

''اگر میرے لیے ممکن ہو تو میں ان سے باتیں کرنا پسند کروں گی۔''

''تم ایسا کرنے سے پہلے ہی ڈر جاؤ گی۔''

پھر بھی نوبوتا کا نے یہ نہ سوچا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

''میں خوش ہوں کہ تم مجھے یہاں لائے میں اس مکان کو کبھی نہیں بھولوں گی۔''

کانا کو نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ نوبوتا کو اپنے کندھوں پر سردی محسوس ہوئی اور اس نے خود کو رضائی کے اندر چھپا لیا۔ وہ جاگ رہے تھے مگر کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بستر میں لیٹے رہنا نئے سال کا استقبال کرنے کا اچھا اور پرسکون انداز معلوم ہوتا تھا۔

وہ دوبارہ سے سو گئے اور تب جاگے جب سورج نکل چکا تھا۔ کانا کو بستر سے نکلی اور کپڑے پہننے شروع کر دیئے۔ نوبوتا کا نے اپنی رضائی کے اندر سے ہی کہا ''نیا سال مبارک۔ کیا تم جھیل پی وا جانا چاہتی ہو؟'' کانا کو نے بڑے کمرے کے پردے کھول دیئے۔ گزشتہ رات وہ طوفان سے بچاؤ کے لئے بنائے گئے بھاری اضافی دروازے بند کیے بغیر ہی سو گئے تھے۔ کھڑکی سے سورج کی روشنی آ رہی تھی لیکن جب کانا کو نے اسے کھولا اور پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں پرانے مکان کے باغ کو دیکھا تو حیرت سے اس کا

MashalBooks.com

اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ حالانکہ آسمان نیلا تھا برف کے گالے ہوا پر رقص کر رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے چھوٹی چھوٹی سفید بیئر سٹریک تتلیوں کا غول پرواز کر رہا ہے۔

''برف باری ہو رہی ہے آؤ اور دیکھو کتنی خوبصورت ہے۔''

اس کی آواز نوبوتا کا کو برآمدتک لے آئی۔

''برف کی پھوار۔ ذرا اس کے متعلق سوچو۔ ٹوکیو میں ایک صاف دن میں بمشکل بھی ایسا منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔''

صبح کی سورج کی روشنی میں رقص کرتے ہوئے برف کے گالوں نے باغ کی خوبصورتی میں عجیب انداز میں اضافہ کیا تھا۔ برف کی پھوار کی خوبصورتی سراہتے ہوئے کاناکو نے اومی کی اس صبح کا اثر قبول کر لیا۔

☆☆☆

MashalBooks.com